ترجمانِ اسلام

مفتی محمود

خدا کی بستی دوکان نہیں ہے۔

(مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی)

جنوبی افریقہ نے ایٹمی دھماکہ کر دیا۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد۔

۱۶ تا ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء

شمارہ نمبر ۴۶

(احسان دانش)

یہ نظم و ضبط اگر ہے تو دھاندلی کیا ہے؟

وہ مہرباں تو ہوئے ہیں مگر خوشی کیا ہے؟
یہ دشمنی کا ہے آغاز دوستی کیا ہے؟

اتر رہا ہے شفق کے الاؤ میں سُورج
یہ بزمِ دہر ابھی کیا تھی اور ابھی کیا ہے؟

قلندری میں ہیں اورنگ و تاج بے معنی
نگاہِ فقر میں توقیرِ خسروی کیا ہے؟

غریب کو بھی شکایت امیر کو بھی گلہ
یہ نظم و ضبط اگر ہے تو دھاندلی کیا ہے؟

خُدا گواہ! اسے منکرِ خُدا پا کر!
میں اس خیال میں گم ہوں کہ آدمی کیا ہے؟

ملیں گے لاکھ یہاں آگہی کے دعویدار
مگر یہ [illegible] بتائے کہ آگہی کیا ہے

ہے جن پہ ناز بہت تم کو حضرتِ دانشؔ
انہیں جناب کی پروائے دوستی کیا ہے؟

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۴۶

جمعتہ المبارک ۱۶ نومبر ۷۹ء، ۲۵ ذی الحج ۹۹

سرپرست
مولانا عبیداللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدلِ اشتراک
سالانہ
۶۵ ــــــ روپے
ششماہی
۳۳ ــــــ روپے
سہ ماہی ــــــ ۱۷ روپے
قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے
ــ یکے از مطبوعات ــ

خط و کتابت : ترجمانِ اسلام چوک رنگ محل لاہور

امریکہ اور ایران

امریکہ اور ایران کی تازہ ترین آویزش ان دنوں پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے اور ایرانی طلباء کی جانب سے ایران میں امریکی سفارت خانے کے عملہ کو یرغمال کئے جانے کا مسئلہ عجیب و غریب نوعیت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں بعض ممالک کی طرف سے بیچ بچاؤ کی کوششیں بھی ہورہی ہیں۔ خدا کرے یہ ممالک اپنی کوششوں میں کامیاب ہوجائیں اور کسی بڑے تصادم کا امکان ختم ہوجائے۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل وہ بیان ہے جو تنظیم آزادئ فلسطین کے سربراہ جناب یاسر عرفات نے دیا ہے۔ تنظیم آزادئ فلسطین کے سربراہ نے صرف بیان پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ امریکہ اور ایران کی موجودہ سرد جنگ کو ختم کرنے کے لئے منظم اور بھرپور کوششیں بھی کررہے ہیں۔ خود امریکہ کی وزارت خارجہ کے ترجمانوں نے بھی تنظیم آزادئ فلسطین کی ان مساعی کو سراہا ہے۔

تمام امن دوست ممالک یہی چاہتے ہیں کہ یہ مسئلہ بخوبی حل ہو جائے اور آنیوالے خوفناک طوفان کا خطرہ ٹل جائے جس کے نتیجے میں یہ آگ دُور دُور تک پھیل جانے کا شدید اندیشہ ہے۔ ایک سُپر پاور ہونے کے ناتے سے امریکہ کی زیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور اس مسئلہ کو جو یقیناً اس کے لئے اب عزت و آبرو اور انا کا مسئلہ بن گیا ہے گفت و شنید تحمل و بردباری سے حل کرنے کی کوشش کرے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ امریکہ جیسی عالمی طاقت کو معزول شاہ کو میزبانی کا شرف بخشنے سے

پرنٹر پبلشر مولانا عبیداللہ انور [illegible] لاہور

پہلے ٹھنڈے دل و دماغ سے ایرانی عوام کے ان جذبات کا اندازہ کرنا چاہیئے تھا جو وہ معزول شاہ کے بارے میں رکھتے ہیں۔

ایرانی عوام نے شاہ کے خلاف تحریک میں جس تاریخ ساز جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کا ثبوت دیا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اور سابق شاہ کی معزولی و دربدری کے بعد شاہ کے دورِ اقتدار میں کئے گئے مظالم کے جو واقعات سامنے آئے ہیں وہ بھی کھلی کتاب کی مانند سب کے سامنے ہیں۔ اپنے دورِ حکمرانی میں معزول شاہ، اس کے خاندان اور اس کے لگے بندھوں نے عوام کے خون پسینے کی کمائی اور ایرانی دولت کو جس طرح سے لوٹا اور پانی کی طرح بہایا وہ اظہر من الشمس ہے۔

امریکہ اگر ان تمام حالات و واقعات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتا تو معزول شاہ امریکی میزبانی سے لطف اندوز ہونے کا ہرگز مستحق نہ ٹھہرتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایشیا میں شاہ نے اپنے دورِ اقتدار میں امریکی مفادات کی نگرانی کی ہے اور شاہ امریکہ کا دم چھلہ بن کر عالمِ اسلام کے مفادات کو پامال کرتا رہا ہے حتیٰ کہ سنہ اسرائیل ایسے نازک مسئلہ پر بھی شاہ نے امریکہ ہی کی ہاں میں ہاں ملائے رکھنے کو ترجیح دی۔ مگر اس کا یہ مطلب کب ہے کہ امریکہ ان سابقہ خدمات کے صلہ میں ایران کے کروڑوں عوام کے جذبات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ان کے قومی مجرم کو پناہ دے۔ ایرانی یہ کب برداشت کر سکتے ہیں کہ پچاس ہزار انسانوں کا قاتل امریکی میزبانی کے مزے لوٹتا رہے اور ان کی ہر آواز صدا بصحرا ثابت ہو۔ امریکہ کے لئے اب بھی یہی بہتر ہے کہ اگر وہ شاہ کو ایران کے حوالے کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو کم از کم اسے اپنی سرزمین سے تو نکال دے تاکہ ایرانیوں کے جذبات کا الاؤ کسی قدر مدہم پڑ جائے۔ اس سے قبل خود شاہ امریکہ پر یہ الزام لگا چکا ہے کہ اس کی سوختہ سامانی کا سبب امریکہ بنا ہے۔ خود امریکہ نے بھی شاہ کو اپنے ملک میں رکھنے سے معذرت کا اظہار کر دیا تھا لیکن اب نجانے وہ کونسی ایسی تبدیلی آئی ہے اور وہ کیا درپردہ مقاصد ہیں جن کی تکمیل کے لئے اب امریکہ و شاہ میں اچانک مفاہمت ہو گئی ہے کہ امریکہ ایک شاہ کے لئے ایران اور اس کے ہمدردوں کو ناراض کرنے پر تُل گیا ہے۔

صدر کارٹر کا حالیہ بیان بھی ناقابلِ فہم ہے جس میں انہوں نے ایران کے ان ہزاروں طلباء کو فوراً نکل جانے کا حکم صادر فرمایا ہے جو امریکہ میں تعلیم کی غرض سے رہ رہے ہیں۔ امریکہ اس موقع پر اپنے بڑے پن کا ثبوت فراہم کرنے کی بجائے چھوٹی اور اوچھی باتوں پر اتر آیا ہے اور اس نے وہی پرانا حربہ استعمال کیا ہے جو اس سے پہلے وہ دیگر چھوٹے ممالک کے خلاف استعمال کر چکا ہے اور جس میں اسے بارہا پسپائی اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

ہم ایک بار پھر عرض کریں گے کہ امریکہ کو صورتحال کی نزاکت کا احساس کرنا چاہیئے اور ایرانی قیادت کو بھی اپنے رویہ میں ایسی لچک پیدا کرنی چاہیئے جس سے یہ مسئلہ بخوبی انجام کو پہنچ جائے اور ان ممالک کو بھی اپنی کوششیں تیز تر کر دینی چاہئیں جو نیک نیتی سے اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ تنظیم آزادئ فلسطین کے سربراہ جناب یاسر عرفات یقیناً اس سلسلے میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

دلسوز محمد نعیم ترین

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ خلیفہ ثانی کے بعد تیسرے خلیفہ ہیں جو اہل مشورہ کی قرارداد کے مطابق محرم ۲۴ھ شنبہ کے روز مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ حافظ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ واقعہ فیل سے چھ سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی یہی قول صحیح ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی تحریک سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسلام قبول کرتے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا نکاح آپ سے کیا۔ آپ کا اسم مبارک عثمان تھا اور لقب ذوالنورین اور یہ لقب اس لئے تھا کہ دو نور آپؓ کے نکاح میں جمع ہوئے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور حضرت ام کلثوم سے یکے بعد دیگرے آپ کا نکاح ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ جب حضرت رقیہ کی وفات ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ ام کلثومؓ کا نکاح عثمانؓ سے کر دوں۔ جب حضرت ام کلثومؓ کا بھی ۹ھ میں انتقال ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ نے فرمایا میری اگر کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ سے کر دیتا۔

سلسلہ نسب:

آپؓ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ ابن عبد شمس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد مناف پر آپ کا سلسلہ نسب جا ملتا ہے اس طرح کہ عبد مناف کے دو لڑکے تھے۔ ایک کی اولاد میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے لڑکے کی اولاد میں حضرت عثمانؓ۔ حیا و شرم کا مصدر و مخزن آپ کی ذات تھی۔ بند مکان میں غسل کرتے وقت بھی حیاء کی وجہ سے آپ کا کپڑا نہیں اترتا تھا۔ حضرات شیخین کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف تشریف فرما رہتے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کی تشریف آوری پر ان کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کپڑوں کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ کثرت تلاوت اکثر عبادت آپؓ کا خاصہ تھا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے جس روز شہید ہوئے اس روز بھی روزہ تھا۔ تمام رات تلاوت فرماتے تھے۔ شب کے اول حصہ میں تھوڑی سی دیر سوتے۔ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم فرما لیا کرتے تھے۔ باوجود نہایت مالدار ہونے کے آپؓ کا لباس اکثر نہایت معمولی ہوتا تھا۔ لنگی چار یا پانچ درہم کی ہوتی تھی۔ ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنے کا ہوتا ہے لیکن صدقہ و خیرات کرنے میں بڑا کشادہ دل رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد فرماتے۔ اگر کسی جمعہ کو اس معمول میں فرق آ جاتا تو اگلے جمعہ کو اس کی قضا فرماتے۔

مالی امداد:

غزوہ تبوک میں صحابہ کرام اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی مشکلات پیش آئیں وہ قریب قریب سب کو معلوم ہیں حتیٰ کہ اس غزوہ کا نام جیش العسرہ مشہور ہوگیا اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس لشکر کے لئے اسباب مہیا کریگا اس کو جنت ملے گی۔ آپؓ نے ایک ہزار اشرفیاں لاکر پیش فرما دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف فرما تھے ان اشرفیوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "آج کے بعد کوئی عمل نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔" آپؓ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے لئے کوئی ساتھی ہوتا ہے۔ میرے ساتھی جنت میں عثمانؓ ہوں گے۔" ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد مع اپنے اہل و عیال کے ہجرت کی۔ ایک غزوہ میں مسلمانوں کی امداد کے لئے بہت کچھ سامان دیا جس میں خورد و نوش کی بہت سی چیزیں تھیں جو کئی اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا "اے خدا! میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی عثمانؓ سے راضی رہ۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر صحابہؓ نے بھی یہی دعا مانگی۔

وفات:

حضرت عثمان کی خلافت کی مدت بارہ دن کم بارہ سال ہوئی اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کئے گئے جس وقت شہید ہوئے تلاوت قرآن پاک میں

مشغول تھے۔ خون بہہ کر قرآن مجید کی اس آیت پر گرا فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مظلومانہ شہادت کی اطلاع بہت پہلے سے دے چکے تھے۔ ترمذی شریف کی ایک روایت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کے متعلق صحابہ کرامؓ سے تذکرہ کیا اور حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس فتنہ میں ظلماً قتل ہوگا۔ ترمذی شریف ہی کی ایک دوسری روایت ہے۔ اس میں حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کر دو گے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاؤ گے۔

متفرق واقعات:

۱۔ حضرت عثمانؓ کا ایک غلام تھا۔ آپؓ نے اس سے فرمایا میں نے تیرا کان مروڑا تھا۔ اس لئے تو مجھ سے بدلہ لے لے۔ اس نے آپؓ کا کان پکڑا حضرت عثمانؓ نے فرمایا سختی سے کر۔ کس قدر اچھا دنیا میں بدلہ ہے کہ اس کے بعد آخرت میں کوئی مواخذہ نہیں۔

۲۔ حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے پاس کسی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ غزوہ تبوک میں جانے والوں کی امداد کریں۔ حضرت عثمانؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس ہزار اشرفیاں بھیجدیں۔ قاصد نے لاکر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے انہیں اوپر نیچے کرتے رہے اور عثمانؓ کے حق میں یہ دعا فرماتے رہے۔ اے عثمانؓ اللہ تیری مغفرت فرمائیں۔ اللہ تیرے ان گناہوں کو جو تو نے چھپ کر کئے یا کھلم کھلا کئے، یا جن کو تو نے مخفی رکھا اور وہ گناہ جو آئندہ تجھ سے قیامت تک سرزد ہوں سب کو معاف فرمائیں۔

۳۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص کون ہے جو مسلمانوں کے لئے بیر رومہ خرید کر عام مسلمانوں کو اس سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دیدے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت میں اس کو سیراب فرمائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عثمان بن عفان نے اس کو پینتیس ہزار درہم میں خرید لیا اور عام مسلمانوں پر وقف فرما دیا۔

۴۔ عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو ان کے زمانہ خلافت میں جمعہ کے دن ممبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے اس کی قیمت چار یا پانچ درہم سے زیادہ نہ ہوگی۔

۵۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ خلافت میں حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے اور سنگریزوں کے نشانات ان کے پہلو میں بن گئے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ امیر المومنین اور اس حالت میں رہتے ہیں۔

۶۔ ایک اور شخص حضرت عثمان کے پاس گیا راستے میں کسی اجنبی عورت پر اس کی نظر پڑ گئی۔ آپؓ نے فرمایا بعض لوگ میرے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہوتی ہے۔ آپؓ نے فرمایا نہیں بلکہ فراست ایمانی سے یہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

یوم شہادت
امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

یکم محرم الحرام سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا یوم شہادت ہے

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں کہ جن کو محبوب خدا نے غلبہ دین اور سطوت اسلام کے لئے دربار ربوبیت سے طلب فرمایا اور جن کی اسلام میں آمد سے مسلمانوں کو خانہ کعبہ میں عبادت کرنا نصیب ہوئی اور جن کو دربار رسالت سے 'فاروق اعظم' کا لقب عطا ہوا۔ یہ وہ ہستی ہے کہ جن کی شان میں خاتم النبیین نے ارشاد فرمایا "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر فاروقؓ ہوتے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں دنیا کے بے شمار ممالک مثلاً قادسیہ، تکریت خوزستان۔ اصفہان۔ آرمینیا۔ فارس۔ سیستان۔ مکران۔ خراسان۔ اردن۔ یرموک۔ بیت المقدس۔ اسکندریہ اور طرابلس الغرب وغیرہ فتح ہوئے اور ان کی مقبوضات اسلام کا رقبہ ۲۲۵۱۰۳ مربع میل تک پہنچ گیا۔ اتنی کامیابیوں اور حکمرانی کے باوجود ان کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ ان کے لباس پر پیوند اور پاؤں میں پھٹا ہوا جوتا ہوا کرتا تھا اور خوف خدا کے پیش نظر سیدنا عمرؓ بیت المال سے راشن اپنے کندھوں پر اٹھا کر یتیموں اور مجبوروں کو پہنچایا کرتے تھے حضرت عمر فاروقؓ کے حسن تدبیر سے عدالتیں قائم ہوئیں۔ قاضی مقرر ہوئے اور فوجی دفتر قائم ہوئے۔ یہاں تک کہ دشمن اسلام اور کافر تک کہہ اٹھے کہ اگر ایک عمر فاروقؓ اور پیدا ہو جاتا تو دنیا سے کفر اور ظلمت کا نام تک مٹ جاتا۔

چنانچہ ہم مسلمانوں کو ایک بار پھر یاد دہانی کراتے ہیں کہ اس عظیم انسان کا دن پوری عقیدت و احترام سے منائیں۔ آخر میں ہم آپ کے مؤقر جریدہ کی وساطت سے صدر پاکستان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب اور گورنر جنرل سوار خان صاحب سے اپیل کرتے ہیں کہ ایسی بڑی عظیم المرتبت ہستی کا دن شان و شوکت ریڈیو اور ٹیلیویژن پر سرکاری سطح پر منایا جائے اور عام تعطیل کی جائے۔ ڈاکٹر رشید احمد یزدانی۔ عبدالرحمن جامی النقشبندی۔ مولانا خدا بخش فاروقی۔ مولانا خلیل احمد صاحب۔ جلالپور پیروالا ضلع ملتان

زاھد بلند شہری

تحدید اسلحہ محض ایک ڈھونگ ہے۔
جنوبی افریقہ نے ایٹمی دھماکہ کر دیا۔
تیسری دنیا کے لئے لمحہ فکریہ!
برآمدات میں اضافہ کیلئے نئی اقتصادی پالیسی مرتب کی جائے۔

گذشتہ ہفتے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی سیاسی اور حفاظتی کمیٹی کے اجلاس میں تخفیف اسلحہ کے مسئلے پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے عوامی جمہوریہ چین کے نمائندے لائی یالی نے کہا کہ "عوامی جمہوریہ چین دنیا میں ایٹم سے پاک اور امن کے خطے قائم کرنے کا حامی ہے۔ تاہم ترقی پذیر ملکوں کو ایٹمی طاقت کے پُرامن استعمال سے روکنا کسی طرف مناسب نہیں ہے۔ انہوں نے تیسری دنیا کے ملکوں کی اس تجویز کی حمایت کی ایٹمی توانائی کے پرامن استعمال کے شعبے میں بین الاقوامی تعاون کو مستحکم بنایا جائے۔ انہوں نے اس مطالبے کی بھی حمایت کی کہ بڑی طاقتیں پہلے اپنے بھاری فوجی اخراجات میں کمی کریں۔ اس طرح جو وسائل بچ جائیں ان کو ترقی پذیر ملکوں کی اقتصادی ترقی کے لئے بروئے کار لایا جائے"۔

چینی نمائندے کا موقف بلاشبہ پاکستان کے موقف سے ایک لفظ بھی کم و بیش نہیں ہے۔ کیونکہ صدر جنرل ضیاء الحق نے بھارت کے صدر کو جو مراسلہ بھیجا تھا اس میں بھی کچھ اسی قسم کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ اس سے قبل بھی جب مرحوم ایوب خان کے دور میں پاکستان نے جوہری طاقت کے پُرامن استعمال کے لئے پلانٹ لگانے کی شروعات کی تھی تب بھی پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن نے عالمی ایٹمی توانائی کمیشن کو اس بات کی یقین دہانی کرائی تھی کہ پاکستان کا جوہری توانائی سے متعلق موقف وہی ہے جو کہ ایک پُرامن ایٹمی ملک کا ہو سکتا ہے۔

اب جبکہ عالمی رائے عامہ کو امریکہ اور اس کے حلیفوں نے ورغلا کر ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ پاکستان کے ایٹمی توانائی کے حصول کا اوّل و آخر مقصد "ایٹم بم" بنانا ہے اس سے متاثر ہو کر نام نہاد "عالمی بنک" نے پاکستان کو مزید قرض دینے سے معذوری کا اظہار کیا ہے۔ دوسری طرف مغربی ملکوں کی پالیسیوں کو ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک پر ٹھونسنے کے ایک بالواسطہ ادارے کنسورشیم نے بھی پہلے لئے گئے قرضوں کی مدت ادائیگی میں مزید چھوٹ دینے سے صریحاً انکار کر دیا ہے اور جیسا کہ اس بات سے ساری دنیا واقف ہے کہ امریکہ نے پاکستان کو اپنی پرامن ایٹمی پالیسی کو ترک کرنے کے لئے اس پر اقتصادی دباؤ بھی ڈالا ہوا ہے۔ اسی 'اقتصادی دباؤ' کی پالیسی کے پیش نظر امریکی حکومت نے حال ہی میں ہونے والے پاک۔ امریکن باہمی تعاون کے مذاکرات میں پاکستان کے موقف کو ماننے سے انکار کر دیا مگر پاکستان نے بھی اپنی پالیسی میں رتی بھر بھی کمی نہیں کی اور جیسا کہ ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا پاکستان نے امریکہ کی اس تجویز کو رد کر دیا ہے کہ وہ اپنے پُرامن ایٹمی پروگرام پر عملدرآمد بند کر دے تو اس کی اقتصادی معاشی امداد بحال ہو سکتی ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ امریکہ کا یہ نعرہ کہ امریکہ دنیا میں "ایٹمی پھیلاؤ کو روکنا چاہتا ہے تاکہ انسانی تباہی اور بربادی کا خاتمہ ہو سکے" حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ امریکہ اپنے غیر مسلم حلیفوں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہیں کرتا بلکہ "ایٹمی پھیلاؤ کو روکنے کی یہ پالیسی" صرف اور صرف پاکستان جیسے مسلمان ملکوں کے لئے ہے اور اگر ایٹمی پھیلاؤ کے روکنے میں امریکہ واقعی مخلص ہے تو پھر اپنی اس پالیسی کو ہر ملک میں یکساں لاگو کرے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ امریکی پالیسی یہودی نواز حلقے کی مرہون منت ہے۔ امریکی اقتصادیات و معیشت کا دست بازو یہودی ہیں۔ دنیا میں جہاں بھی مسلم کش پالیسیاں کارفرما ہیں وہاں

امریکی حکومت ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کے لگانے میں بلاتامل تعاون کرتی ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال جنوبی افریقہ کا ہلکی طاقت کا جوہری دھماکا ہے۔ جنوبی افریقہ جو نسلی تعصب میں دنیا بھر میں مشہور ہے اور جس پر اقوام متحدہ سمیت دنیا کے اکثر ممالک نے نسلی تعصب کی پالیسی کی بنا پر اقتصادی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں ایٹمی دھماکے امریکی اعانت سے کر رہا ہے۔ پاکستان نے گو کہ ابھی جوہری توانائی کے حصول میں مکمل صلاحیت حاصل نہیں کی ہے اس کے باوجود امریکہ اور اس کے مغربی یہود نواز حلیف پاکستان پر اقتصادی پابندیاں عائد کر کے اسے پُر امن جوہری میدان میں قدم رکھنے سے روک رہے ہیں۔ پاکستان نے عالمی جوہری کمیشن سے یہاں تک کہا ہے کہ اس کی لگائی ہوئی تمام پابندیاں قابلِ قبول ہیں جبکہ بھارت اور جنوبی افریقہ نے ایسی پابندیاں قبول کرنے سے سختی سے انکار کر دیا تھا اور پھر جیسا کہ اقوام عالم نے دیکھا کہ "امن اور شانتی" کے دعویدار بھارت نے اپنے نظریہ اور نعرے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایٹمی دھماکہ کیا۔ اب جبکہ بھارت ایٹمی ملکوں کی صف میں شامل ہو چکا ہے نام نہاد عالمی ایٹمی ادارے کو چاہیئے کہ وہ یہی ناروا پابندیاں بھارت جنوبی افریقہ اور اسرائیل پر بھی لگائے۔ مگر جب پاکستان بھارت، جنوبی افریقہ اور اسرائیل پر پابندیوں کی بات کرتا ہے تو دنیا میں امن کے قیام کی دعویدار طاقتیں اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھتے ہوئے پسِ پشت ڈال دیتی ہیں۔ امن کے ان نام نہاد ٹھیکیداروں نے آج تک ان چوری کی "وارداتوں" کے متعلق تحقیقات نہیں کی جو جوہری مواد لے جانے والے بحری جہازوں میں ہوئی تھیں۔ جوہری مواد کی چوری کوئی معمولی واقعہ یا بات نہیں ہے مگر پھر بھی امریکہ، برطانیہ اور فرانس ایسے دنیا میں امن و امان کا مسئلہ پیدا کرنے والے ممالک کا ان "چوری" کے واقعات سے چشم پوشی کرنا اس بات کو اور تقویت پہنچاتا ہے کہ در پردہ اسرائیل کے ساتھ جوہری توانائی کے حصول میں معاونت کی جا رہی ہے ورنہ امریکہ پاکستان کے ایٹمی توانائی کے مرکز کو (جو ابھی تکمیل کے مراحل طے کر رہا ہے) کمانڈوز سے تباہ کرانے کی جو دھمکیاں دے رہا ہے اس کے مقابلے میں بحری قزاقی کے یہ گھناؤنے واقعات تو اس کے سامنے کئی گنا اہمیت کے حامل ہیں جن کا فوری سدباب ہونا ضروری تھا مگر جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے امریکہ اور دیگر مغربی ملکوں کی اپنی خوشنودی اور خوشی اسی میں ہے کہ اسرائیل اور جنوبی افریقہ افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں اپنے مد مقابل افریقی و عرب ملکوں کے مقابلے میں "ایٹمی عفریت" بن کر ابھریں اور پھر ظاہر ہے ان کے ایٹمی میدان میں داخل ہو جانے اور جوہری اسلحہ تیار کرنے کے بعد ہر دو علاقے کے پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں خصوصاً فلسطینیوں پر (جو عرصہ چالیس برس سے آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں) خوف و ہراس طاری ہو جائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ۳۱ اکتوبر سے منائے جانے والے ہفتہ "تخفیف اسلحہ" میں کیا کیا ترجیحات سامنے رکھی جائیں گی۔ کیا ایٹمی اسلحہ کی دوڑ میں واقعی کمی آ جائے گی؟ کیا روس اور اس کے حلیف کمیونسٹ ملک ایٹمی طاقت کے بل بوتے پر "توسیع جاگیر" ایسے قبیح عمل کو بند کر دیں گے؟ ہمارے اندازے کے مطابق ایسا کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن یوں سمجھئے کہ اعشاریہ صفر صفر ایک فیصد بھی امکانات نہیں ہیں۔ ہفتہ "**تخفیف اسلحہ**" محض خود رائج کردہ ایک روایت ہے جسے بہر صورت نبھانا ہے تاہم اس موقع پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر والڈ ہائیم کی یہ تجویز دنیا بھر کے امن پسند لوگوں کے لئے قابل قبول ہے کہ "فوجی مقاصد کے لئے جو ذرائع استعمال کئے جا رہے ہیں انہیں ایک نئے بین الاقوامی اقتصادی نظام کے قیام کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔" تجویز تو بہرحال بہت اچھی ہے اور ہونا بھی یہی چاہیئے مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس کینیڈا اور اسرائیل اس پر عملدرآمد کریں گے؟ اس کا جواب نہایت آسان ہے کہ یہ تجویز برائے تجویز ہے اور تجویز کی ہی حد تک درست ہے مذکورہ ملکوں کے نزدیک اس کی کاغذی حیثیت بھی نہیں اور اس سلسلے میں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ یو۔ این سیکرٹری جنرل کے منہ سے نکلی ہوئی ایک ایسی بات ہے جو بہرحال ہوا میں تحلیل ہو کر اپنی حیثیت کھو بیٹھتی ہے۔

ہماری یو این، جنرل اسمبلی اور دنیا کے تمام امن پسند ملکوں سے اپیل ہے کہ وہ ایٹمی طاقت کے "ہوّے" سے ڈرا کر پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کو اقتصادی طور پر مفلوج کرنے والے ملکوں پر اقتصادی پابندیاں عائد کر دے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل بھی "ان کی گھر کی جورو" ہے۔ جیسا وہ چاہتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے۔ اور اگر کبھی کسی پسماندہ ملک کی کسی تجویز کو جنرل اسمبلی نے تسلیم بھی کیا ہے تو صرف "کاغذ کے ایک پرزے" کی حد تک صرف ...!

دنیائے عالم میں ان حالات کے ہوتے ہوئے اسلامی ممالک خصوصاً عرب ممالک پر (جو کہ تیل کی دولت سے مالا مال ہیں) یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تمام ذاتی و علاقائی اختلاف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے متحد و متفق ہو کر "مسلم کاز" کی سربلندی اور غیر مسلم دنیا کی 'ماتحتی' سے نکلنے کے لئے اپنی اقتصادیات و معیشت بنانے کے لئے شبانہ روز کام کریں۔ انہیں ترقی و ترویج کا کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے۔ اس دور میں وہی قوم سر اونچا کر کے چل سکتی ہے جو ہر معاملے میں خود کفیل ہو اور اس کے لئے مسلمانوں کو (خواہ وہ کسی خطے یا علاقے میں رہتے ہوں) مشترکہ طور پر سخت محنت شاقہ کر کے غیر مسلم اقوام کی کاسہ لیسی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے فوراً کام کرنا چاہیئے۔ اسی میں مسلمانوں کے ماضی کے وقار کی بحالی کا راز مضمر ہے۔

"امریکی جریدے کرسچین سائنس مانیٹر کے مطابق جولائی ۱۹۷۷ء میں موجودہ حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے پاکستان

کی برآمدات میں پچاس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اور اب ملک میں ترقی کی شرح کو سات فیصد کی شرح سے برقرار رکھا جا سکتا ہے"۔

سابقہ حکومت کے دور میں کرنسی کی قیمت میں کمی کے بعد سے ملک میں اشیائے خوردنی کی قیمتوں میں اضافہ جس تیزی سے بڑھا وہ ملک کو اقتصادی طور پر تباہ کر دینے کے لئے کافی تھا اس سے برآمدات میں تو بجا طور پر اضافہ ہوا مگر قرض اور ادائیگی میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا۔ سود کی شرح بھی بڑھ گئی بھٹو حکومت کی ناقص معاشی و اقتصادی پالیسی سے درآمدات و برآمدات کے توازن میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔ سابق حکومت نے اقتصادی پالیسی کو جس نہج پر چلایا تھا اس سے پچھلی حکومتوں کی بنائی ہوئی اقتصادی پالیسیوں کو سخت دھچکا لگا۔ گو کہ بھٹو حکومت سے قبل بنائی گئی اقتصادی پالیسیاں اتنی بہتر نہیں تھیں مگر پھر بھی بھٹو حکومت کی بنائی گئی اقتصادی پالیسیوں سے قدرے مناسب تھیں۔ کیونکہ اس دور میں صنعت کو اولیت دی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پاکستان نے روزمرہ استعمال کی گئی اشیاء پر صنعتی ممالک پر سے انحصار ختم کر دیا تھا اور اگر اسی پالیسی پر عملدرآمد کیا جاتا تو آج پاکستان صنعتی اعتبار سے جاپان ہوتا مگر افسوس کہ اس پالیسی کو ترک کرنے سے ملک کئی سال پیچھے چلا گیا۔

اب جبکہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک نے پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے روکنے کے لئے امداد بند کر دی ہے ایسے موقع پر پاکستان کو سخت اقتصادی مشکلات کا سامنا ہے۔

حکومت پاکستان کی نئی اقتصادی پالیسی کی بدولت ملک کا بیش قیمت زرمبادلہ باہر جا رہا ہے۔ پاکستان میں درآمدات اور برآمدات میں اتنا تفاوت ہے کہ کوئی بھی ترقی پذیر ملک اس پر عمل نہیں کر سکتا۔ ہر سال بجٹ بنتا ہے اور ہر سال 'فری لسٹ' کی فہرست میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ یوں درآمدی ٹیکس کے قابل صرف معدودے چند اشیاء رہ جاتی ہیں۔

ان حالات میں دیکھیں کہ پاکستان کو زرمبادلہ کے حصول کے کتنے ذرائع باقی رہ جاتے ہیں؟

زرمبادلہ حاصل کرنے کے لئے برآمد سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے خاتمے کے بعد بیرون ملک کام کرنے والے پاکستانی ہی باقی رہ جاتے ہیں جو زرمبادلہ کمانے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ ممالک غیر میں کام کرنے والے لاکھوں پاکستانی اس میدان میں پاکستان کے لئے جو کام کر رہے ہیں وہ لائق تحسین ہے۔

کرسچین سائنس مانیٹر کی رپورٹ کے مطابق برآمدات میں پچاس فیصد اضافہ ہوا ہے یہ حوصلہ افزا خبر ہے مگر بات پھر وہیں آ جاتی ہے کہ درآمد کے مقابلے میں برآمدات آٹے میں نمک کے مترادف ہے۔

اب اگر برآمدات میں اسی سرعت سے اضافہ ہوتا رہا تو یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ برآمدات اور درآمدات میں حیرت انگیز تفاوت ختم ہو جائے گا اور ترقی کی شرح بھی سات فیصد کی شرح سے برقرار رہ سکتی ہے۔

اسی ضمن میں بھارت جانے والے پاکستانیوں کا تذکرہ اشد ضروری ہے ہر روز کم و بیش ایک ہزار پاکستانی بھارت جاتے ہیں۔ بھارتی حکومت نے بھارت جانے والے پاکستانیوں پر یہ شرط لگائی ہے کہ وہ بھارت آتے وقت ڈالر لے کر آئیں۔ بھارت کی اس شرط کی پابندی سے کئی کروڑ ڈالر کا زرمبادلہ بھارت منتقل ہو چکا ہے جبکہ پاکستان آنے والے بھارتی باشندوں پر حکومت پاکستان نے اس قسم کی کوئی شرط نہیں لگائی۔

یوں بھارتی حکومت کی یکطرفہ کارروائی کی وجہ سے پاکستان کو ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے اور پاکستانی معیشت پر اس کا بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔ اب اگر پاکستان بھی بھارتی باشندوں پر اس قسم کی پابندی لگا دے تو پھر اس کا توڑ آسانی ہو گا۔

حکومت پاکستان اور سٹیٹ بنک کو چاہیئے کہ اس بارے میں مناسب پالیسی اختیار کرے نیز سرحدوں پر ہونے والی گھی اکیاس اور نمک کی اسمگلنگ کا خاتمہ ضروری ہے۔ اس کالے دھندے سے پاکستان کو اربوں روپے کے زرمبادلہ سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے جو سمگلروں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اگر سرحدی پولیس کی جگہ خصوصی فورس تیار کی جائے تو اس قبیح کاروبار کا خاتمہ کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

مرتب: مولانا عتیق احمد قاسمی، مرادآباد (بھارت)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید مدنی قدس اللہ اسرارہم

وفات سے تدفین تک

از افادات مولانا عبدالاحدؒ خلف الرشید حضرت مولانا عبدالسمیع مرحوم
استاذ دارالعلوم دیوبند

ولادت حضرت مدنیؒ ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ   وفات ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ

واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ بندہ پانچویں گھنٹہ میں گھر سے سبق پڑھانے کے لئے درسگاہ پہنچا۔ سبق پڑھاتے چھ سات منٹ گزرے تھے کہ دفعتاً ایک کہرام مچا، آہ و فغاں کی صدائیں کان میں آنے لگیں۔ اس مہیب آواز کو سن کر تحقیقِ حال کے لئے درسگاہ سے باہر آیا، فوراً ایک عزیز نے کہا کہ ہم سب یتیم ہوگئے، اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ واصل بحق ہوگئے۔

یہ خبر وحشت اثر سن کر پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، قدم لڑکھڑانے لگے، دن رات معلوم ہونے لگا۔ تقریباً بیس منٹ میں نودرہ کی درسگاہ سے حضرت مدنیؒ کے دولت کدہ پر پہنچا۔ بدن میں تعب اور لرزہ پاؤں میں لڑکھڑاہٹ، افتاں خیزاں چوکھٹ پر پہنچا تو ہجوم در ہجوم، مہمان خانہ میں تل دھرنے کی جگہ نہیں اور زار و قطار رونے کی آوازیں۔ بمشکل اندر پہنچا، بدن مبارک پر کمبل پڑا ہوا تھا۔ کمبل ہٹا کر چہرۂ مبارک کی زیارت کی۔

بوسے لے کر پاپر خادمِ خاص رفیق حضرت قاری اصغر علی صاحب کے پاس حاضر ہوا۔

قاری صاحب مرحوم پر عجیب کیفیت طاری تھی، قاری صاحب مرحوم کو مخاطب کرکے صاحبزادہ محترم مولانا اسعد سلمہ اللہ تعالیٰ عن شرور والفتن یہ فرما رہے تھے کہ کسی کا انتظار نہیں کروں گا، جلد از جلد بحکم شارعؑ تجہیز و تکفین اور تدفین کرنی ہے۔ قاری صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے رائے مناسب ہے، میں ابھی درزی کو کفن کے لئے اور آدمی کو قبر کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ اسی دوران سید شفیع صاحب تحویلدار دارالعلوم قاری صاحب کے کمرہ میں آئے۔ قاری صاحب نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ قبر کے لئے کوئی مناسب جگہ تجویز کرآئیں اور میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تو بھی سید صاحب کے ساتھ چلا جا۔ میں اور سید صاحب حضرت مہتمم صاحب سے اجازت طلب کرکے مزار قاسمی پر پہنچے۔ مشرقی، غربی، شمالی جنوبی جگہوں کو دیکھا مگر کوئی جگہ منتخب نہ ہو سکی۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ کے بغل میں ایک جگہ نظر پڑی۔ میں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ اس جگہ اگر مزار ہو جائے تو بہتر ہے۔ سید صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ جگہ تو بہت بہتر ہے مگر طولاً و عرضاً اسقدر گنجائش نہیں ہے۔ میں نے قبری کو بلایا، اس نے بھی کہا کہ طول میں بہت کمی ہے اس لئے دشوار ہے۔ میں نے قبر بنانے والے سے کہا میں اس جگہ لیٹتا ہوں اور اپنے ہاتھوں کو لمبا کر رہا ہوں جہاں میرے ہاتھوں کی انگلیاں پہنچ رہی ہے وہاں نشان لگا دو اور کھدائی شروع کر دو۔ میں کپڑے پہنے ہوئے لیٹ گیا اور اپنے ہاتھ سر کی طرف لمبے کرکے کہا کہ میری انگلی کے پاس نشان کر دو اور یہاں سے کھدائی شروع کر دینا۔ مرحوم قبری نے ایسا ہی کیا۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ بغلی قبر بنانا اور تم کو خوش کر دیا جائیگا۔ اس نے قبر کھودنی شروع کر دی اور بغلی بنانا چاہا لیکن کئی روز کی بارش سے زمین نرم تھی، زمین

ہیں بغلی قبر نہ ہو سکی تو پھر میں نے کہا صندوقی بنا دو۔ انہوں نے صندوقی قبر تیار کر دی۔

میرا دل چاہتا تھا اور سعی و تمنا تھی کہ کسی طرح غسل میں شریک ہو کر سعادت و برکت حاصل کر دں۔ قبرستان سے واپس آیا تو دیکھا کہ مؤذن مغرب کی اذان دے رہے ہیں۔ میں نے قاری صاحب سے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ مجھے بھی کرم فرما کر غسالوں کی خدمت ہی کے لئے شامل کرا دیجئے گا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر فوراً حاضر ہوا تو حضرت قاری صاحب نے مولانا اسعد صاحب سے فرمایا کہ غسل کرانا شروع کر دو۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ اس کو بھی لے لینا یعنی (مولانا) عبدالاحد مرحوم کو۔

مولانا اسعد مدنی صاحب نے کمرہ خالی کرا کر مجھ کو، مولانا راشد صاحب کو اور ایک کوئی اور صاحب تھے ان کو، مولانا شیخ الحدیث زکریا صاحب مدظلہ کو غسل کے کمرہ میں پہنچا دیا اور کمرہ بالکل بند کر دیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب بیٹھے رہے، ہم نے غسل دینا شروع کیا۔ غسل سے فراغت کے بعد رومال سے بدن مبارک صاف کیا۔ داہنے ہاتھ کو کپڑے سے صاف کرتے وقت داہنے ہاتھ کی ایک انگلی کھنچی۔ میں نے شیخ الحدیث صاحب سے عرض کیا کہ اگر آپ فرمائیں تو پیشانی مبارک پر بسم اللہ اور سینہ مبارک پر کلمہ شریف لکھ دوں۔ شامی میں اس طرح کرنا جائز لکھا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ پھر کفن پہنا کر جنازہ کی روانگی مدرسہ کی طرف ہوئی۔ قدرتاً غسل میں اتنا وقت گذر گیا تھا کہ عشاء کی نماز کا وقت آ گیا۔ نماز پڑھ کر جنازہ کو نودرہ کے اندر جو دار التفسیر کا تحتانی حصہ ہے رکھا گیا۔ چونکہ تمام زائرین سے زیارت کرانے کا وعدہ تھا اس لئے حسب وعدہ مدرسہ میں زیارت کے لئے منہ کو کھلا رکھ کر یہ طریقہ اختیار کیا کہ دار الحدیث کے ہال کی گیلری کے اوپر سے عشاق نے زیارت شروع کر دی۔

نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے پڑھائی۔ زیارت اور نماز جنازہ سے فراغت پا کر جنازہ سے پہلے میں نے قبرستان کی راہ لی اور یہ خیال کیا کہ اگر جنازہ کے ساتھ چلا تو قبر تک پہنچنا دشوار ہوگا بہر حال میں پہلے ہی قبر پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

جنازہ جب قبر پر آ گیا تو قبر میں اترنے کے لئے مولانا اسعد صاحب سے اجازت لی، انہوں نے اجازت مرحمت فرما دی۔ قبر میں پیروں کی طرف میں کھڑا ہوا۔ مولانا اسعد صاحب اور مولانا راشدی صاحب اترے۔ جب نعش مبارک کو قبر میں رکھا گیا اور بدن سے بند کھولے اسوقت پیروں کی جانب والے حصہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی قبر سے ایک سوراخ کھل گیا۔ تین مرتبہ اس کو بند کر دیا۔ تینوں مرتبہ وہ بند کرنے کے بعد پھر کھل گیا تو مجھے یاد آیا کہ حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی کو جب دفن کیا گیا تو یہی صورت پیش آئی تھی تو ایک بزرگ جو وہاں موجود تھے انہوں نے فرمایا کہ حضرت اپنی صاحبزادی کو قریب رکھنا چاہتے ہیں اور تم لوگ دور کرنا چاہتے ہو۔ چھوڑو اسی طرح رہنے دو۔ میں نے بار بار کے بند اور کشاد کو دیکھ کر مولانا اسعد صاحب سے یہ ماجرا نقل کیا اور کہا کہ بس اب بند نہ کیا جائے یہ سوراخ کھلا ہوا ہی رکھا جائے۔ مولانا اسعد صاحب نے میری بات مان لی اور پھر اسی حالت میں قبر شریف کو تختوں سے بند کر دیا۔

اللھم اغفر لھم ولنا
وارض عنھم وعنا برکتہ۔

یہ کل تفصیلی صورت ہے جس کو میں آپ کے تقاضے اور اصرار سے قلمبند کر کے پیش خدمت کر رہا ہوں۔ دعا گو اور طالب دعا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تکمیل مقصد اور حسن خاتمہ عطا فرمائے اور حضرت کے علم کے ساتھ سرفراز فرمائے۔

(تحریر مولانا احد مرحوم مورخہ ۲۵/۳/۹۹ھ)
(بشکریہ الرشید لاہور)

انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغی دعوت

انبیائے کرام علیہم السلام جو حق تعالیٰ کے بہت ہی زیادہ مقرب اور محبوب ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ کا پیغام دنیا میں پھیلانے کے لئے جس محنت اور مشقت سے اس گروہ مقدس نے کام کیا ہے، ناسازگار اور پوری طرح مکمل طور پر بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کی کوشش میں نمایاں کام سرانجام دیا ہے اس کا تھوڑا سا اندازہ وہ لوگ بھی لگا سکتے ہیں جو تبلیغی میدان میں ہیں اور لوگوں کی بھانت بھانت کی بولیاں سنتے ہیں مگر پھر بھی اکثر لوگ ان کی تبلیغ کا اثر قبول نہیں کرتے اور یہ عذر کر کے ٹال دیتے ہیں کہ "تم قیامت کے روز ہماری مدد نہ کرنا" اور بھی کئی حوصلہ شکن جملوں سے ان کی دل آزاری کی جاتی ہے تو ان کے دل زخمی ہو جاتے ہیں کہ یاالٰہی! تیری ہی مخلوق تجھ سے بیزار کیوں ہے؟ مگر فطرتاً مبلغ اسلام بھی انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح دین کے اصولوں کو پھیلانے کے لئے "حریص" ہوا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ بھی مان لے۔ وہ بھی مان لے اور سب اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے طریقہ "صراط مستقیم" پر گامزن ہو جائیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ مبلغ دین اسلام کو بھی صراط مستقیم کی دعوت پیش کرتے وقت جن مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان حضرات کو ان مصائب سے کیسی راحت ملتی ہے۔ اس حلاوت اور مٹھاس کا ذائقہ چکھنے کے لئے آپ بھی صرف اللہ کی راہ میں چالیس یوم تبلیغی جماعت کی نذر کر کے دیکھ لیں۔ مگر انبیائے کرام علیہم السلام کا معاملہ اس سے بھی الگ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت الی اللہ کی ایک جھلک قرآن کریم کی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ
اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ
اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (پ۱۷)

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے سو میری بندگی کرو۔

انبیاء یعنی جمیع انبیاء و مرسلین کا اجماع عقیدہ توحید پر رہا ہے۔ کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعوئے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔

نیز سورۃ النحل میں فرمایا۔ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو اور شیطان سے بچ کر رہو۔

حضرت نوح علیہ السّلام کی دعوت کیا تھی؟ قرآن کریم سے سنیے۔

(ترجمہ) "یقینی امر ہے کہ ہم نے نوح علیہ السّلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے قوم کو پکار کر کہا اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں۔"

حضرت ہود علیہ السّلام کی دعوت بھی قرآن کریم میں مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(ترجمہ" اور قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السّلام کو مبعوث کیا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم عبودیت صرف اللہ کی اختیار کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ (الاعراف)

حضرت صالح علیہ السّلام کی دعوت بھی ملاحظہ فرمائیے

(ترجمہ) قوم ثمود کی طرف انہی کے بھائی صالح علیہ السّلام کو بھیجا گیا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے علاوہ اور کوئی تمہارا الٰہ نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السّلام کی دعوت بھی دیکھئے:

(ترجمہ) مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے

علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔"

(الاعراف)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعوت بھی قرآن کریم میں ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے مرنے کے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ انہوں نے جواب دیا ہم تیرے الٰہ اور تیرے آباؤ اجداد ابراہیم اسماعیلؑ و اسحاقؑ کے الٰہ۔ اللہ کی عبادت کریں گے۔

(البقرہ)

حضرت الیاسؑ نے اپنی قوم سے فرمایا:

کیا تم حضرت بعل کو (مصائب میں) پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑتے ہو۔ اللہ ہی تمہارا رب ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی۔ (صفٰت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کے واقعات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں اپنی قوم سے فرمایا:

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور ذات کو تمہارے لئے الٰہ تجویز کروں (ایسا نہیں ہوسکتا) اس نے تو تمہیں سارے جہان والوں پر فضیلت بخشی ہے (ایسے وقت میں) لہٰذا تم کو اسی کا شکرگزار ہونا چاہیئے اور صرف اسی کو الٰہ مان کر عبادت کرنی چاہیئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں بھی اعلانِ توحید کرتے ہوئے کیا ہی عمدہ تقریر فرمائی ہے:

اے جیل کے ساتھیو! کیا ایک اللہ جو زبردست ہے وہی بہتر رب ہے یا بہت سے متفرق معبود اچھے ہیں؟ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر چند بے حقیقت ناموں کی پوجا کرتے ہو ایسے نام جن کو تم نے اور تمہارے آباء نے مقرر کرلیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ حکومت کا حق صرف خدا کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو لیکن بہت سے لوگ ناواقف ہیں (توحید سے) عبادت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے (یوسف)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم کی گواہی ان الفاظ میں مذکور ہے:

اور جب اللہ تعالیٰ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریمؑ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ (مریمؑ) کو اللہ کے سوا دو الٰہ بنالینا تو عیسیٰ ابن مریم جواب دیں گے نہیں اے اللہ تو شریکوں سے پاک ہے مجھے جس بات کا حق نہیں ہے میں وہ بات کیونکر کہہ سکتا ہوں؟ اگر میں نے یہ بات کہی ہے تو تو ضرور جانتا ہے کیونکہ تو میرے دل کے خفیہ بھیدوں تک سے واقف ہے جبکہ میں تیرے علم سے ناواقف ہوں بے شک خفیہ بھیدوں اور رازہائے غیر مکشوفہ کا جاننے والا تو ہی ہے۔ میں نے لوگوں سے صرف وہی بات کہی ہے جس کا حکم آپ نے مجھے دیا اور وہ یہ ہے۔ عبادت اس ذات عالی صفات کی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔

(المائدہ)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ صرف ایک رہا اور وہ یہ کہ سب حضرات الٰہ واحد کی ہی عبادت کریں۔ اس کو بہت جامع لفظوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یوں ادا کرایا ہے:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہدو اے لوگو اگر تم میرے دین کے بارے میں تردد کررہے ہو تو سنو میرا مسلک یہ ہے کہ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جنکی تم کررہے ہو بلکہ میں اس اللہ واحد لاشریک لہٗ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس پر ایمان لانے والوں میں ہوں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین خالص (توحید) کی طرف اپنے آپ کو متوجہ رکھوں۔ شرک کرنے والوں میں سے نہ بنوں۔ ایسی قوتوں کو نہ پکاروں جو مجھے نفع پہنچا سکیں نہ نقصان دے سکیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اگر میں نے شرک کیا اور اللہ کے سوا کسی اور کو پکاروں تو میں ناانصافوں میں سے ہوجاؤں گا۔ مجھ سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا دور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے راحت دینا چاہے تو اس کے فضل و کرم کو روکنے والا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں میں سے جس پر چاہے فضل کرتا ہے۔ وہی غفور الرحیم ہے۔

(یونس)

دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے:

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو کہ میں تو اس بات کی شہادت نہیں دیتا بلکہ میں تو اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ہی الٰہ ہے اور میں یقینی طور پر تمہارے شرک سے بری ہوں (الانعام)

نیز یہ کہ:

اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ اللہ ہی الٰہ واحد ہے تو کیا تم اس کے سامنے سر جھکاتے ہو یا نہیں؟ (الانبیاء)

ایک اور مقام میں یوں فرمایا:

اللہ میرا رب ہے اس کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں۔ اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں (الرعد)

پھر آپ کی زبان مقدس سے یوں بھی کہلوایا گیا:

میں بھی بشر ہوں مثل تمہاری ہاں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا الٰہ ایک ہی ہے۔

(کہف اور حٰم سجدہ)

ایک اور مقام پر بھی یہ بیان یوں دوہرایا گیا ہے:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے۔ اے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی (حکومت) ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔

قارئین حضرات! آپ نے لفظ "الٰہ" متعدد مقامات پر انبیاء کرام علیہم السلام کی تبلیغی دعوت میں ملاحظہ فرمایا۔ بعض حضرات "الٰہ" کا ترجمہ صرف حرف 'معبود' سے کرتے ہیں جو کہ محققین، مفسرین کی رائے میں صحیح نہیں ہے۔ الٰہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اگر قرآنی آیات میں ہر جگہ الٰہ کا ترجمہ معبود سے کیا جائے تو الٰہ کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ الٰہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کا ملحقہ ہے اور جمیع صفاتی نام کو اس کا وسیع مفہوم لاگو ہے۔ یعنی الٰہ کا ترجمہ مخصوص نہیں موقع محل کے مطابق ہوا کرتا ہے جس کی ایک جھلک پارہ ۲۰ کے ابتدائی رکوع میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے۔ الٰہ کا ترجمہ خالق مالک۔ رازق۔ نافع۔ ضار وغیرہ متعدد اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام کو لاگو ہے جیسے بارش برسانے والا۔ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا کھیتی اور دیگر درخت وغیرہ اگانے والا۔ غرضیکہ الٰہ کا ترجمہ کوئی مخصوص یا متعین نہیں ہو سکتا، اس لئے مختلف اقوام نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس تبلیغی دعوت کا جو ردعمل پیدا کیا اس کا اظہار بھی قرآن کریم میں بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ چونکہ وہ ایک مستقل موضوع ہے اس لئے اسے اس مضمون کے ساتھ بیان کرنا اس لئے دشوار ہے کہ مضمون بہت ہی طویل ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگلی صحبت میں اسے مستقل طور پر پیش خدمت کیا جائیگا۔ تبلیغ میں خصوصاً الٰہ واحد کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

خدا کی بستی

دوکان نہیں ہے

یہ تقریر ۲۷ جولائی ۱۹۷۸ء کو محکمۂ اوقاف کے صدر دفتر لاہور میں علماء، وکلاء اور دانشوروں کے سامنے اس استقبالیہ میں کی گئی جو محکمۂ اوقاف نے مقرر کر دیا تھا۔

بعد حمد و صلوٰۃ۔

یہ دنیا ایک مقدس وقف ہے:

حضرات علماء کرام، کارکنانِ محکمۂ اوقاف و حاضرین مجلس!

میں محکمۂ اوقاف کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے یہاں دعوت دے کر میری عزت افزائی کی۔ مجھے جب یہ دعوت ملی تو میں یہ سمجھا کہ ایک محدود تعداد میں وہ حضرات ہوں گے جن کا محکمۂ اوقاف سے ذمہ دارانہ تعلق ہے، ان سے تعارف ہوگا اور میں محکمۂ اوقاف کی کارگزاری یا اس کی سرگرمی کے جو میدان ہیں ان سے واقفیت حاصل کر کے مسرت حاصل کروں گا اور اپنی معلومات میں اضافہ کروں گا، لیکن جب یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آج اس تقریب اور اس اجتماع کا موضوع ہے "موجودہ دنیا میں اسلام کی ضرورت"۔ میں سوچتا رہا کہ اس موضوع سے اس قابلِ قدر محکمے کا کیا تعلق ہے؟ لیکن میں نے فوراً ہی اس تعلق کا انکشاف کر لیا کہ حقیقت میں ہماری یہ دنیا بھی ایک مقدس وقف ہے اور اس کے متولی بھی حقیقت میں وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اس وقف کے مقصد سے واقف ہوں اور وقف کے مقاصد و منشا سے ان کو نہ صرف دلچسپی ہو بلکہ وہ اس کے وفادار بھی ہوں۔

اس وقت دنیا کا حال یہ ہے کہ دنیا ایک ایسا مظلوم وقف ہے جس کے متولی اس کے مقاصد سے بالکل نا آشنا ہیں بلکہ اس میں بھی ہم نے بڑی احتیاط برتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وقف کے مقصد و منشا کے مخالف ہیں اور ابھی تک وہ یہ بھی دریافت نہیں کر سکے کہ اس عالم انسانی اور اس کائنات کا واقف ہے کون؟ آپ حضرات کو خوب معلوم ہے اور عملی تجربہ ہے کہ سب سے پہلے تو واقف کا علم ہونا چاہیئے، پھر واقف کا مقصد و منشا معلوم ہونا چاہیئے۔ پھر یہ جذبہ پیدا ہونا چاہیئے کہ ہم اس کے امین ہیں۔ قرآن مجید میں اس تولیت کے لئے مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ بہت واضح طریقہ پر فرمایا:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ

یہ استخلاف بھی ایک طرح کی تولیت ہے کہ خالق کائنات نے اس زمین کو پیدا کیا اور اس پر انسان کو بسایا، نسلِ انسانی کو پیدا کیا اور فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ یہ کہ تم اصالتاً اس کے مالک نہیں ہو بلکہ ہمارے خلیفہ کی حیثیت سے ہمارے منشاء کے مطابق اس کا انتظام کرنے کے مکلف و ذمہ دار ہو۔ چھوٹے سے چھوٹے وقف کے لئے بھی قانون بنا ہوا ہے اور اس کے بھی ضابطے ہیں، اور میں جس جگہ سے اپنی معروضات پیش کر رہا ہوں یہ اس کا ایک مرکزی مقام ہے جس کی بنیاد اس پر ہے کہ ان اوقاف کی حفاظت کی جائے۔ اور میں پوری توقع کرتا ہوں کہ آپ اس کے امین ثابت ہو رہے ہوں گے لیکن یہ بدقسمت سرزمین اور یہ مظلوم وسیع ترین وقف جس کی کوئی نظیر اوقاف کی تاریخ میں نہیں مل سکتی، اس لئے کہ اوقاف کی تاریخ تو بہت بعد کی ہے۔ خدا نے یہ کرۂ ارض، یہ سیارہ ایک وقف کی حیثیت سے بہت پہلے پیدا کیا تھا اور انبیاء علیہم السلام کو، ان کی امتوں کو اور ان کے جانشینوں کو اس کا متولی بنایا تھا۔ یہ بھی ایک محکمۂ اوقاف تھا اور اس کے بعد آخری طور پر سید الانبیاء خاتم النبیین اشرف المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ارواحنا ونفوسنا کو اور ان کی امت کو آخری طور پر اس کا متولی بنایا گیا۔

امت خودرو کھیتی اور جنگلی گھاس نہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خصوصیت

ہے کہ اور انبیاء علیہم السّلام کی بعثت منفرد بعثت ہوتی تھی، ان کی ذات کی بعثت ہوتی تھی لیکن آپ کی بعثت کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ایک امّت بھی مبعوث کی گئی یعنی وہ امت خود رو کھیتی اور کوئی جنگلی گھاس نہیں ہے۔ حشرات الارض کا کوئی مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے قرآن مجید میں، سنت نبویؐ میں احادیثِ صحیحہ میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ ذمّہ داری کے الفاظ ہیں اور انتہائی ذمّہ داری کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس

اُخرِجَتْ کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ امّت کسی مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ انسانیت کی حفاظت اور فاطرِ کائنات کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح الفاظ ہیں کہ فرمایا

"انما بعثتم مُیَسِّرِین ولم تُبعثوا مُعَسِّرِین"

اس میں بعثت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ تم بھیجے گئے ہو۔ تمہیں مقرر کیا گیا ہے، تمہیں نامزد اور نصب کیا گیا ہے، تمہاری ایک حیثیت متعین کی گئی ہے اور تمہاری ڈیوٹی لگائی گئی ہے اور "مُیَسِّرِین" سہولت پیدا کرنے والے کی حیثیت سے، مشکلات پیدا کرنے والے کی حیثیت سے نہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹا وقف ضائع ہو رہا ہو تو حکومت اس کی ذمّہ دار ہوتی ہے، حکومت اس کی مدعی بن جاتی ہے، وقف کی حفاظت کے لئے چاہے وہ مسجد کی شکل میں ہو چاہے یتیم خانہ کی شکل میں، خواہ کسی جائیداد کی شکل میں ہو، حکومت اپنے پورے اختیارات سے اور تمام وسائل سے کام لیتی ہے اور آپ کو دن رات ان واقعات سے واسطہ پڑتا ہے۔

خدا کی بستی دکان نہیں ہے

لیکن کیسی قابلِ رحم حالت ہے اس وقف کی جس کے متولی غلط تصرف کر رہے ہیں بلکہ اس کے مالک بن بیٹھے ہیں اور مالک بننے کے باوجود اس کے ساتھ دشمنوں کا سا سلوک کر رہے ہیں۔ کسی قبرستان کا وہ حشر نہیں ہوگا جو اس معمورۂ جہاں کا حشر ہوا۔ اس آبادی کو ویرانہ اور قبرستان بنا دیا گیا۔ بقول اقبال

جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

آپ کے اسی شہر کے شاعرِ عظیم نے اہل یورپ کو خطاب کر کے کہا تھا ع

خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

آپ کسی مسجد کو قمار خانہ بنتا نہیں دیکھ سکتے، لیکن وہ سرزمین جس کے متعلق کہا گیا تھا

جعلت لی الارض مسجداً و طہوراً میرے لئے پوری زمین مسجد بنا دی گئی ہے۔ اس مسجد کو فرنگیوں نے قمار خانہ بنا دیا۔

میں سمجھا کہ یہ موضوع مقرر کرنے والوں نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے اور اس وقف سے اس بڑے وقف کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ آپ کے موضوع سے بالکل غیر متعلق

آپ اس دنیا کی حالت پر نظر ڈالیں اور دیکھیں اس دنیا کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ جن کو تعمیر کا کام کرنا چاہیئے تھا وہ تخریب کا کام کر رہے ہیں، جن کو اسے امانت سمجھنا چاہیئے تھا وہ اس کو ذاتی ملکیت نہیں بلکہ میراث سمجھ رہے ہیں، جن کو اس میں اس کی ضروریات اور وہاں رہنے والوں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیئے تھا وہ ان جذبات اور ان کی ضروریات کے کھنڈر پر یا ان کے مقبروں پر اپنی عیش گاہیں تعمیر کر رہے ہیں۔ اس وقت دنیا کی صورت کیا ہے؟ کسی وقف کا وہ برا حال کبھی نہیں ہوا ہوگا جو اسوقت اس عظیم بلکہ وقف اعظم کا ان لوگوں نے کر دیا ہے جو اس کے متولی بن بیٹھے ہیں۔ جو متولی نہیں بنائے گئے، غاصب ہیں، انہوں نے اس دنیا کی قبریں کھودنی شروع کر دیں اور پرانی قبریں ہی نہیں نئی قبریں بنانی شروع کیں اور افراد کی نہیں بلکہ قوموں اور ملکوں کی قبریں کھودنی شروع کر دی ہیں۔ اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ انسانیت کی قبریں کھودی جا رہی ہیں۔ یہ سازش ہے انسانیت کے خلاف یہ سازش ہے اخلاق کے خلاف یہ سازش ہے۔ بقولِ اقبال کے خلاف یہ سازش ہے انسان کے مستقبل کے خلاف بلکہ اب تو ڈر یہ ہے کہ انسان کے حال کے خلاف بھی سازش ہے۔ یہ وقف اس بری طرح ضائع ہو رہا ہے کہ دنیا کے ہر انسان کو اس پر آنسو بہانا چاہیئے اور ہر انسان کو نالشی بن جانا چاہیئے۔

اسلام کی عدالت
قائم کیجئے

اس وقف کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے اس کے خلاف پوری بنی نوع انسان کو اور پورے افرادِ بشر کو مدعی ہونا چاہیئے لیکن کس عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا جائے! --- - متحدہ کی عدالت میں یہ مقدمہ دائر ہو سکتا ہے؟ آپ کا ذاتی مقدمہ ابتدائی عدالتوں سے لے کر چیف جسٹس کی عدالت یا ہائی کورٹ میں جائیگا، سپریم کورٹ میں جائے گا، لیکن یہ انسانی کنبہ جس کے خلاف یہ عالمگیر سازش کی گئی ہے اور جسے خاک و خون میں ملایا جا رہا ہے، اس کے خلاف کس کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے؟ اور اس وقف کو کیسے بحال کیا جائیگا؟ قانون دانوں سے پوچھیئے اور انسانیت کے بہی خواہوں سے پوچھئے کہ کس عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا جائے۔ مشکل یہ ہے کہ مدعا علیہ ہی جج ہے، اس مقدمہ کا کیا حشر ہوگا جس کا جج خود مدعا علیہ ہے؟ اس کے خلاف ہم مقدمہ دائر کرنا چاہتے ہیں اور اسی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر رہے ہیں، اس مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوگا۔ اس لئے اصل ضرورت یہ ہے کہ وہ عدالت قائم ہو جائے جہاں یہ مقدمہ دائر کیا جا سکے۔ وہ عدالت اس وقت دنیا میں موجود نہیں وہ طاقت موجود نہیں جو اس مقدمہ کا فیصلہ

کرے، اس میں دو صفتیں ہونی چاہئیں۔ ایک صفت عدالت، ایک طاقت۔ اگر آپ کسی دانشور کے سامنے، کسی انسانیت کے بہی خواہ کے سامنے مقدمہ لے جائیں تو وہ اپنا فیصلہ تو صادر کر دے گا لیکن اسکو تنفید کے اختیارات نہیں۔ آج کوئی مسلمان ملک اس پوزیشن میں نہیں جو انسانیت کی دادرسی کر سکے۔ اس وقت المیہ یہ ہے پورے عالم انسانی کا اس مقدس امانت میں جو ایک وقف کی حیثیت رکھتی تھی خیانت کی جارہی ہے اور دنیا میں خیانت کی کوئی ایسی مثال نہیں نہیں ملتی، اس مقدس امانت میں خیانت کی جارہی ہے۔ یہاں کی ہر چیز کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے، جس کی لاٹھی اس کی بھینس اور جنگل کا قانون دنیا میں نافذ ہے۔ اس مقدس وقف کو جس کو خدا نے اہتمام کے ساتھ بنایا، قرآن مجید میں، صحف سماوی میں اس کا بار بار اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک مرتبہ کہہ دینا کافی تھا لیکن تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ہم نے زمین اس طرح بنائی پھیلائی، اس طرح زمین بچھائی، آسمان کا شامیانہ نصب کیا، سورج کو اس کے لئے قندیل بنایا اور چاند کو اس کے ٹھنڈک اور روشنی کا ذریعہ بنایا، کھیتیاں اگائیں، اس پر باغات لگائے، اس میں چشمے بنائے۔ یہ سب کیوں کیا جاتا ہے؟ تاکہ آپ کو اس وقف کی عظمت معلوم ہو۔ آپ کو اگر بتایا جائے کہ کسی کاغذ میں یہ اندراج ہے کہ یہ وقف ایسے عظیم مقاصد کے لئے کیا جارہا ہے اور اس وقف میں اس بات کی صلاحیت ہے، اس کا رقبہ اتنا بڑا ہے، اس میں اتنی عمارتیں موجود ہیں، اس میں ایک عظیم کتب خانہ ہے تو آپ کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔ خدا نے زمین کے بنانے کے سلسلے میں جو تفصیلات بیان کیں اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس وقف کی عظمت اور اہمیت کو سمجھیں، لیکن آج دنیا کا حال کیا ہے؟ یا تو کہیں صریح تخریب کا عمل جاری ہے۔ کہیں یہ حالت ہے کہ وسائل ہیں لیکن مقاصد نہیں۔ سب کیا جا سکتا ہے لیکن جن کے ہاتھ میں یہ وسائل ہیں وہ نہیں جانتے کہ ان کو کس طرح استعمال کریں؟ ان سے انسانیت کی فلاح میں کس طرح کام لیں؟ انسانیت کے دکھ درد کو ان سے دور کریں، انسان کو انسان سے ملائیں، انسان کے دل سے عداوت اور کینے کا مادہ نکالیں اور محبت و اعتماد کو اس کی جگہ قائم کریں، انسان کو انسان کی مدد کے قابل بنائیں۔ ان کے پاس یہ مقاصد نہیں ہیں۔

مسیحیت اور یہودیت رہنمائی سے قاصر ہیں:

یہ مقاصد صرف انبیاء علیہم السلام کے ذریعے حاصل ہو سکتے تھے اور سوائے اسلام کے ہر مذہب کا دامن ان سے خالی ہو چکا ہے اور مسیحیت کا دامن تو ایسا خالی ہوا کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ خالی ہی نہیں بلکہ اس نے اپنے دامن کو جھٹک دیا ہے اور اس میں جو کچھ تھا اس کو دور پھینک دیا ہے۔ مسیحیت آج اپنی قوموں کی (جنہوں نے اس کو قبول کیا ہے اور اس کی حلقہ بگوش ہیں) رہنمائی سے بالکل قاصر ہے، مسیحیت ان کی رہنمائی کرے، ان کی بے اعتدالیوں پر کوئی قدغن لگائے اور زندگی کی مشکلات میں ان کی عقدہ کشائی کرے اس سب سے عاجز ہے اس لئے کہ موجودہ مسیحیت وہ مسیحیت نہیں ہے جو سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ذریعہ پہنچی ہے، یہ سینٹ پال کی مسیحیت ہے جو یورپ میں آ کر مسخ ہو گئی۔ یہودیت کا جہاں تک معاملہ ہے وہ اس سے پہلے بگڑ چکی تھی۔ وہ چند رسموں کا نام ہے، نسل پرستی کا نام ہے، وہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے گرد گھومتی ہے۔ اس کو دنیا کی کسی نوع خاندان و کنبے سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ اس پوری نسل انسانی کی تخریب، ان کے اخلاق کو بگاڑنے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دنیا کی تمام قوموں میں بداخلاقی پھیلائیں، ان کی تمام اقدار کو، ان کی تمام بنیادوں کو متزلزل کر دیں۔ ان میں اخلاقی انتشار و انارکی کو پیدا کریں۔ ان کو دماغی اعتبار سے روحانی حیثیت سے، اخلاقی حیثیت سے دیوالیہ بنا دیں تاکہ وہ ہمارے ہاتھوں شطرنج کے مہرے کی طرح کام کریں۔ ہم ساری دنیا کو اس طرح ذلیل کر دیں اور قوموں کو اتنا کمزور کر دیں کہ وہ ہمارے قدموں پر آ کر گر جائیں یہ یہودیت ہے۔

اب اسلام رہ جاتا ہے جو زندگی میں رہنمائی کر سکتا ہے۔ موجودہ دنیا کو اسلام کی اس لئے ضرورت ہے کہ اخلاق برباد ہو رہا ہے۔ انہوں نے کاش کہ دنیا کو یتیم خانہ ہی سمجھا ہوتا۔ یتیموں کی طرح قوموں کے ساتھ سلوک کرتے، اس کو یتیم خانہ نہیں قمارخانہ بنا دیا ہے۔ ہم اس پوزیشن پر بہت خوش ہوتے کہ دنیا میں قوموں کو یتیم سمجھ لیا جاتا۔ یورپ اس پر راضی ہوتا کہ سب یتیم ہیں اور ساری دنیا ایک یتیم خانہ ہے، اس کے ساتھ ہمدردی غمگساری ہونی چاہیئے۔ یہ بھی بہت غنیمت تھا۔

یہ دنیا شکارگاہ بنی ہوئی ہے:

لیکن نہیں یتیم خانہ بھی نہیں یہ دنیا شکارگاہ بنی ہوئی ہے۔ شکاری نکلتے ہیں ہتھیار لے کر اور قوموں کا شکار کھیلنے چلے جاتے ہیں، قوموں کو پامال کرتے چلے جاتے ہیں۔ آج جو بڑی طاقتیں ہیں ان کے نزدیک مشرقی اقوام کی قیمت مسلم ممالک کی قیمت اتنی ہے کہ وہاں سے کچا مال RAW METE-RIAL ان کو ملے، پٹرول ان کو پہنچتا رہے اور اگر کوئی جنگ ہو تو یہاں ان کے ذریعے سے اپنے دشمن کا مقابلہ کر سکیں، ان کو اپنا سپاہی بنا سکیں۔ یہ گویا ایندھن ہیں ان کے باورچی خانے کا۔ بس اس کے سوا کوئی قیمت نہیں۔ آپ یقین مانیے کہ

میرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق و مغرب کے میخانے

جن کو اب اہل مغرب بلاد نامیہ (ترقی پذیر

ممالک) کہنے لگے ہیں، ورنہ پہلے تو پسماندہ کہتے تھے۔ پسماندہ اقوام کی قیمت ان کے نزدیک یہ ہے کہ ایک اچھا ایندھن ہے جب آگ جلانا چاہیں جب یہ اپنا مطبخ گرم کرنا چاہیں تو یہ قومیں اور یہ ملک ایندھن مہیا کریں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ قوموں کی تقدیر ہمارے ہاتھ میں آگئی ہے۔ انہوں نے انسانوں کے ساتھ جانوروں کا بلکہ جمادات کا سلوک کر رکھا ہے اور آج کوئی طاقت نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ سب اپنی طاقت اور اپنا جوہر کھو چکے ہیں۔ سب اپنا پیغام بھول چکے ہیں۔ سب اپنا کردار چھوڑ چکے ہیں۔ سب میدان سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔

سارا انحصار اسلام اور مسلمانوں پر:

اس وقت سارا انحصار مسلمانوں اور اسلام پر ہے۔ آپ حضرات کی بہت بڑی ذمہ داری ہے آپ اس ملک کی فکر کریں، معاشرہ کی اصلاح کی فکر کریں۔ اس وقت مسلم معاشرہ ہر ملک میں مرض کی ایسی حالت میں پہنچ گیا ہے کہ اس کی جلد خبر لینے کی ضرورت ہے، معاشرہ کا عیب یہ نہیں کہ وہ فاسد الاخلاق ہوگیا۔ خطرہ کی بات یہ ہے کہ معاشرہ فاسد المزاج ہوگیا ہے اور کسی معاشرہ کا فاسد الاخلاق ہونا اتنا خطرناک نہیں ہے۔ اس کے لئے سو تدبیریں ہیں لیکن معاشرہ جب فاسد المزاج ہو جائے تو پھر دوا بھی اثر نہیں کرتی۔ اس وقت اس معاشرہ کی خبر لینے کی ضرورت ہے۔ محکمۂ اوقاف اپنے وسائل کے ذریعے اور ایک بہت بڑا وسیلہ جو اس کے ہاتھ میں ہے وہ بااثر اور قابل احترام ائمہ مساجد اور خطباء ہیں، یہ وہ ہیں جن کا عوام سے براہ راست رابطہ ہے۔ اگر ہمارا محکمہ اوقاف اس کے لئے تیار ہو جائے اور وہ ائمہ و خطباء اپنی ذمہ داری سمجھیں اور بجائے اختلافی مسائل چھیڑنے کے جو اس ملک کا انتشار بڑھائیں گے۔ اگر وہ معاشرہ کی اصلاح پر اپنی توجہ مرکوز کر دیں تو ملک کو بھی بچائیں گے اور عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت کریں گے۔ آپ کو معلوم ہے جس وقت قسطنطنیہ محمد فاتح کی یلغار کے نیچے تھا محمد فاتح کی فوجیں داخل ہو رہی تھیں اس وقت اس پر بحث ہو رہی تھی کہ حضرت مسیح نے جو روٹی کھائی تھی عشائے ربانی میں وہ فطیری تھی یا خمیری تھی۔ اس پر بڑی متکلمانہ بحثیں اور بڑی بڑی نکتہ سنجیاں ہو رہی تھیں اور محمد فاتح کی فاتح فوجیں یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ میں داخل ہو رہی تھیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہاں بھی ایسے اختلافی مسائل نہ چھیڑے ہوں کہ فاتح تمدن کی یلغار جاری ہو فاتح تہذیب کی یلغار جاری ہو۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ مغربی تہذیب فاتحانہ پیش قدمی کر رہی ہے، ہماری اسلامی بنیادوں کو ہلا رہی ہے بلکہ ہماری چولیں اور ہمارے اس ملک کی چولیں بھی ہلا رہی ہے۔ اسلامی معاشرت تبدیل ہو رہی ہے، اسلامی تمدن دم توڑ رہا ہے، مسلمان ذہنی و فکری ارتداد کے شکار ہو رہے ہیں اور ہمارے یہاں علم غیب کی بحثیں ہو رہی ہیں، بشریت رسول ﷺ کی بحثیں ہو رہی ہیں، توقع نہیں کہ اس نازک دور میں جبکہ ہمارے سروں پر خطرے کی تلوار لٹک رہی ہے کوئی یہ بحثیں چھیڑے گا لیکن اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے، ہو سکتا ہے ہم اپنی ذہانت ان فروعی اور نزاعی معاملوں میں ضائع کر رہے ہوں اور اپنی توانائی و طاقت اس میں برباد کر رہے ہوں۔ آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ خطرے کو محسوس کریں۔ آپ کا ملک ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ اس موقع پر آپ متاع اسلام کو بچانے کی کوشش کریں جب یہ بچ جائے گی تو پھر ان مسائل کا موقع ہوگا۔ یہ بحثیں مدرسہ کے اندر کی ہیں، یہ بحثیں مدرسہ کے باہر کی نہیں۔ یہ میں نے ابھی بڑی کانفرنس میں جو خاص مسلک رکھنے والی جماعت نے ہندوستان کے ایک مقام پر کی تھی خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اختلافات ہمیشہ سے تھے۔ نماز کے اندر بھی مذاہب اربعہ میں اور مذاہب اربعہ کے باہر بھی کتنے اختلاف ہیں کہ ان کو گنا جائے تو درجنوں کی تعداد میں نکلیں لیکن کبھی ان سے انتشار نہیں پیدا ہوا۔ انتشار اس وقت ہوا جب معلمین و مدرسین مدرسہ سے نکل کر عوام میں آگئے۔ غلطی یہ ہے کہ ان مسائل کا فیصلہ چوراہوں پر کیا جائے، مسئلوں کا فیصلہ جلسۂ عام میں کیا جائے، ان مسئلوں کو نعرہ بنایا جائے، ان مسئلوں کو عوام کے حوالے کر دیا جائے کہ اس سے بجائے ایک دوسرے سے ملنے کے وہ جدا ہوں ورنہ یہ بحثیں تو ہمیشہ ہوتی رہی ہیں۔ ان سے علم میں اضافہ ہوا، ذہانت میں اضافہ ہوا اور یہ تو زندہ انسان و زندہ جماعت کی خصوصیت ہے کہ غور کرے، سمجھنے کی کوشش کرے، اس پر کوئی پہرے نہیں بٹھا سکتا اور اگر یہ بحثیں عوام میں آجائیں اور ان سے سیاسی مقاصد حاصل کئے جائیں، جماعتی مقاصد حاصل کئے جائیں۔ ان سے اپنی بڑائی اور ذاتی مفادات کی حفاظت کا کام لیا جائے تو پھر یہ مفرح نہیں مہلک بن جاتی ہیں۔ یہ مسئلے فقہی ہیں۔ خالص علمی ہیں، کلامی ہیں۔ ان کو اپنے کتب خانوں میں رکھئے، مدرسوں میں رکھئے، دوستوں کے حلقوں میں رکھئے، طالب علموں کے سامنے رکھئے، ان کو عوام میں نہ لائیے جو ہمارے معاشرہ میں مزید انتشار پیدا کرنے اور مسلمان کو مسلمان سے الگ کرے اور مسلمان کو مسلمان سے توڑے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ مولانا رومؒ نے تو بہت معمولی سی بات پر کہا ہوگا کہ

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

آپ کو جو مسائل درپیش ہیں وہ قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے ہیں، اس سے ہم کو بڑی احتیاط برتنی چاہئے۔ علمی بحثوں کا کوئی دروازہ بند نہیں کر سکتا۔ میں تو ہرگز اس کی رائے نہیں دوں گا اس لئے کہ میں طالب علم ہوں لیکن ان کو سیاسی تفریق و جماعتی

فقر لیں کے لئے، جماعتی مقاصد سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے اور محض جاہ طلبی کے لئے اور اپنی بات اونچی کرنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ اس وقت ہمیں پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے معاشرہ کی اصلاح کے کام میں لگ جانا چاہیئے اور ملک کو اس تہذیبی و تمدنی ارتداد سے بچانا چاہیئے۔

یہ محکمۂ اوقاف جس کے دفتر میں ہم آج جمع ہیں، اس سلسلہ میں اہم کردار بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ ابھی تک خدا کے فضل سے عوام پر علماء کا اثر ہے، ائمہ کا اثر ہے، مساجد کا احترام ہے، منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد کے محراب و منبر سے جو آواز بلند ہوگی دلوں کی گہرائی تک پہنچ جائے گی، وہاں سیاسی لیڈر اور ہمارے متکلمین کی آواز نہیں پہنچ سکتی جہاں ان واعظین کی، خطیبوں کی اور علماء کرام کی آواز پہنچے گی، اس لیئے اس آواز کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور اس اثر کو بڑی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا چاہیئے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے آپ نے اتنے قابلِ قدر و قابلِ احترام علماء، خطباء، ائمہ مساجد اور ایسے مخلص مسلمانوں کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنے کا موقع دیا۔

اسلامی ممالک میں ذہنی کشمکش اور اس کے اسباب

یہ تقریر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں ۱۸ جولائی ۷۸ء کو کی گئی جس میں یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء کے علاوہ مقامی و بیرونی سربرآوردہ حضرات علماء، سیاسی رہنما اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان موجود تھے۔ مقرر کا تعارف ڈاکٹر محمد صدیق شبلی نے کرایا اور اختتامی کلمات اور شکریہ کی رسم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر شیر زمان صاحب نے ادا کی۔

اس جامعہ کی نسبت جس گرامی شخصیت سے قائم ہے اس کی دعوت پر مجھے یہاں آنے سے جو مسرت ہوئی وہ کم دانش گاہوں میں جانے سے ہوئی ہوگی۔ میں اپنی اس تقریر کا آغاز فارسی کے اس شعر سے کرنا چاہتا تھا کہ ؎

"غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد"

لیکن چونکہ اس جامعہ اور اس دانشگاہ کی نسبت اقبالؔ سے ہے، اس لئے اب میں اس کے بجائے جگرؔ کا مصرعہ پڑھونگا ؎

میں چمن میں چاہے جہاں ہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر

یہ اگر اقبالؔ کا چمن ہے تو میں بھی اس کا بلبل ہوں اور مجھے اس چمن کے کسی بھی شاخسار پر بیٹھنے کا حق ہے۔ اس لئے میں غریب شہر نہیں ہوں مجھے اس شہر کا ایک باشندہ یا اس چمن کا ایک بلبل سمجھئے۔

حضرات! وقت بہت کم ہے اور اقبالؔ نے تعلیم پر جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کے سامنے ہے، اور میں یہ گذارش کرونگا اس جامعہ کے ذمہ دار دل سے کہ اسے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے یہاں نصاب میں داخل کریں۔ تعلیم کے بارے میں اقبالؔ کا نقطۂ نظر اور اقبال کی تنقید اور ان کے خیالات پر اگرچہ مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اس کو علیحدہ کر کے اور مستقل فن اور مستقل موضوع بنا کر اس جامعہ میں تحقیقی کام ہونا چاہیئے۔ اقبالؔ ان چند خوش قسمتوں میں سے تھے جو خود اپنے الفاظ میں جدید نظام تعلیم کے آتشکدہ بانار نمرود میں بیٹھ کر بہت کچھ ابراہیمی خصوصیات کے ساتھ نکلے۔

انہوں نے اس پر بھی فخر کیا ہے کہ میں اس جال میں پھنسا تھا لیکن اس کا دانہ لے کر نکل گیا۔ میرے بال و پر اس جال میں پھنسے نہیں رہے ؎

طلسم علم حاضر را شکستم
ربودم دانہ و دامش گسستم
خداوند کہ مانند ابراہیم
بنار او چہ بے پروا نشستم

مشرقی ممالک کے نوجوان مغرب اور خاص طور پر انگلستان جس کو ہندوستانی ولایت کے نام سے یاد کرتے تھے، تعلیم کے لئے جایا کرتے تھے (اقبال کے لئے معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں) جو بڑے اقبال مند ہوتے تھے ان کو وہاں کا سفر نصیب ہوتا تھا وہ اس پر پھولے نہیں سماتے تھے۔ میرے شعور کی آنکھیں پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر کھلی ہیں۔ میں نے تحریک خلافت کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ میں ایک طرح سے اس کا معاصر و ہم عصر ہوں۔ اس زمانے میں انگریز کا طوطی بولتا تھا۔ کسی کھاتے پیتے گھر کے لئے سب سے بڑے فخر کی بات یہ تھی کہ اس خاندان کا کوئی لڑکا ولایت چلا جائے۔ سارے ضلع میں دھوم مچ جاتی تھی کہ فلاں زمیندار صاحب، فلاں سید صاحب، فلاں شیخ صاحب، فلاں خانصاحب کے صاحبزادے ولایت گئے ہیں۔ اس وقت مصر و شام سے کم اور ہندوستان سے زیادہ مغربی ممالک کی طرف رخ تھا۔ غیر منقسم ہندوستان سے اس وقت بہترین جوہر اور بہترین صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان انگلستان گئے اور وہاں خاص طور پر آکسفورڈ اور کیمبرج میں انہوں نے تعلیم پائی۔ ہم برصغیر کے مسلمان اس بات پر فخر کر سکتے ہیں کہ وہاں کے اسلام سوز اور اخلاق سوز ماحول کے اثرات سے جو لوگ آزاد ہو کر نکلے بلکہ ایک طرح سے باغی ہو کر نکلے ان میں ہم دو شخصیتوں کے نام لے سکتے ہیں۔ ایک علامہ اقبالؔ اور مولانا محمد علی جوہر بلکہ مشرق وسطیٰ کو بھی اپنی طویل تاریخ پر یہ فخر حاصل

نہیں۔ وہ کسی ایسے نوجوان تعلیم یافتہ کا نام نہیں لے سکتا جس نے اقبال کی طرح اپنی خودی کو قائم رکھا بلکہ وہ خودی کا مبلغ بن کر آیا ہو اور مولانا محمد علی جوہر جیسا جوہر قابل جو اس تہذیب کا باغی اس ملک کا باغی اور ایک شعلۂ جوالہ بن کر آیا۔ یہ ہمارے اس تختی براعظم کے لئے فخر کی بات ہے۔ کم سے کم یہ دو نام ہیں جن کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا ورنہ میں اور بھی بہت سے نام پیش کرتا۔ وہاں سے کچھ لے کر آئے کچھ کھو کر نہیں آئے۔ حقیقت کا علم تو صرف اللہ کو ہے لیکن ہم اقبال کا کلام پڑھتے ہیں، مولانا محمد علی جوہر کی تحریریں پڑھتے ہیں کامریڈ ہیں اور ہمدرد میں تحریکِ خلافت میں انہوں نے جو قائدانہ کردار ادا کیا اس کو دیکھتے ہیں، ان کی تقریریں پڑھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی تہذیب کا فکری طور پر اقبال سے بڑھ کر باغی اور مغربی سیاست کا محمد علی سے بڑھ کر باغی مشرق کے اسلامی ممالک میں نہیں ملتا۔ اقبال نے اس پر بجا فخر کیا ہے انہوں نے کہا ہے ؎

نشستم با نکویان فرنگی
ازاں بے سود تر روزے ندیدم

میں خوبانِ فرنگ کے ساتھ بیٹھا (ان کی مراد جمالِ علمی اور جمالِ تہذیبی سے ہے) اپنی عمر میں کوئی ایسا بے نُور دن یاد نہیں جو ویسا گزارا ہو۔ کبھی انہوں نے کہا ؎

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

انہوں نے اپنی خودی کو برقرار رکھا بلکہ وہ خودی کے مبلغ بن کر آئے۔ انہوں نے مغربی علوم کے قلب و جگر میں اتر کر مغرب کی کمزوری کو دیکھا اور اس سے فائدہ اٹھایا۔ آپ کی اس جامعہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کا انتساب اقبال سے ہے۔

وقت کم ہے۔ آپ کے سامنے ایک مسئلہ رکھنا چاہتا ہوں جس پر ہماری تمام جامعات کے دانشوروں کو اور ہمارے تعلیمی پالیسی بنانے والوں کو غور کرنا چاہئے۔ ابھی دو تین سال کا واقعہ ہے کہ میں بیروت گیا۔ میرے ایک بڑے ذہین و صاحبِ علم دوست مجھے اپنی گاڑی پر بیروت کی سیر کرا رہے تھے۔ انہوں نے گاڑی چلاتے ہوئے مجھ سے کہا کہ مولانا آپ سے میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ممالک اسلامیہ میں جو ذہنی فکری و سیاسی بے چینی و کشمکش پائی جاتی ہے یہ اسلامی ممالک کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟ یہاں ایک صف آرائی اور قیادتوں اور عوام میں دو متقابل محاذ بنے ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں انقلابات کثرت سے آتے ہیں۔ حکومتیں تبدیل ہوتی ہیں۔ عوام کو اپنے قائدوں اور حکمرانوں پہ بھروسہ نہیں اور برسرِ اقتدار طبقہ کو عوام کی طرف سے اطمینان نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ میں ان کے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا ان کو باتوں میں مشغول رکھا مگر واقعہ یہ ہے کہ خود میرے ذہن کے اندر ایک سوال پیدا ہو گیا کہ شاید اس سے پہلے یہ سوال میرے ذہن میں نہیں تھا کہ آخر کیوں ایسا ہے اور اس بے چینی کے اسباب کیا ہیں۔ روز ہم سنتے ہیں کہ ان ملکوں میں مستقل ٹکراؤ ہے۔ وہاں تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے۔ مستقل فلسفۂ اخلاق کا ٹکراؤ ہے۔ بعد میں میرے ذہن میں اس کا ایک جواب آیا۔ وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس کی وجہ سے مجھ پر اور آپ پر اور ان جامعات کے ذمہ داروں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے بات یہ ہے کہ جو فلسفۂ تعلیم ان غیر اسلامی ممالک میں آیا وہاں کے اقدار اور بنیادی عقائد سے متصادم نہیں تھا۔ ان اقدار میں اوّل تو جان نہیں تھی۔ جان تھی بھی تو ان میں ہر نئے فلسفے کو قبول کرنے کی صلاحیت تھی۔ ان کی تو بنیاد ہی مستحکم نہیں۔ بہت سیال و رقیق قسم کی چیزیں ہیں۔ مثلاً میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ جب جواہر لال صاحب سے پوچھا گیا کہ ہندو کی تعریف کیا ہے؟ تو انہوں نے بہت سوچنے کے بعد کہا کہ جو اپنے آپ کو ہندو کہے وہ ہندو ہے۔ ہمارے ایک دوست نے واقعہ سنایا۔ وہ محکمۂ تعلیم کے آدمی تھے کہ ہم لوگ اسٹاف روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے ایک ہندو پروفیسر دوست سے کہا پروفیسر صاحب اگر ہم سے پوچھا جائے کہ دو لفظوں میں اسلام کا خلاصہ بیان کر دو تو ہم کہیں گے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھنا ہے۔ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ دو لفظوں میں آپ ہندوئیت کی تعریف کر دیجئے تو آپ کیا کہیں گے۔ اور دیکھئے کسی گہرے فلسفے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری لائبریری میں بہت سی کتابیں ہیں۔ میں پڑھ لوں گا۔ آپ تو اس وقت دو لفظوں میں بتا دیجئے کہ اگر مجھ سے ہی کوئی پوچھے کہ ہندو کسے کہتے ہیں اور اس کی کیا تعریف ہے تو میں کیا جواب دوں؟

تھوڑی دیر سوچتے رہے کہنے لگے مسٹر ندوی اصل بات یہ ہے کہ جو کسی چیز میں (BELIEVE) نہیں کرتا وہ بھی ہندو ہے جو ہر چیز میں BELIEVE کرتا ہے وہ بھی ہندو ہے۔ تو ان کا نظامِ عقائد اگر ہے تو اتنا زوردار ہے کہ ہر فلسفہ کا ساتھ دے سکتا ہے۔ اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں۔ اس لئے فرض کیجئے کہ مغرب کا نظامِ تعلیم جب ہندوستان میں آیا تو اس نے ہندو سوسائٹی میں کوئی بے چینی پیدا نہیں کی۔ کچھ پرانے لوگ تھے جو کہتے تھے کہ سمندر کا سفر نہیں کر سکتے۔ صبح کا نہانا ضروری ہے اس کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے۔ اس کے اندر کیا ہے۔ تھوڑے دنوں میں معلوم ہو گیا کہ ہم نے بے سوچے سمجھے باتیں قبول کر لی تھیں۔ یہ موجودہ تمدن کے ساتھ نہیں چل سکتیں۔ لیکن اصل مسئلہ پیش آیا ہمارے مسلم معاشرہ کو، وہاں توحید کا ایک مفہوم ہے، اس کے حدود معین ہیں کہ یہاں تک ایمان ہے۔ اس کے بعد کفر کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ ایک وقت میں کئی مذاہب کا وفادار نہیں ہو سکتا۔ بیک وقت آدمی توحید و شرک کو جمع نہیں کر سکتا اور یہ خیال کہ مغرب سب کچھ ہے اور وہ قیادت کا اہل ہے۔ پھر اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دائمی و عالمی رہنما اور معیار ماننا۔ اقبال ہی کے الفاظ میں کہ ؎

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے

عبارراہ کو بخشا فروغ وادی سینا

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل بھی سمجھے اور مغربی تہذیب کو حرف آخر بھی سمجھے۔ سائنس کو علم کی معراج سمجھے۔ دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اسی لئے بے چینی ان ملکوں میں نہیں ہوسکتی جہاں مذہب کا مثبت معین نظام نہیں تھا جس کو کسی بات پر اصرار نہیں کہ یہ ہدایت ہے یہ ضلالت۔

وماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون۔

ہدایت کے بعد ضلالت کے علاوہ باقی کیا رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے نور ایک ہے ظلمات بے شمار ہیں۔ آپ قرآن مجید میں دیکھئے کہیں نور کی جمع استعمال نہیں ہے۔ کیا عربی میں نور کی جمع آتی نہیں۔ کوئی طالب علم کہدے "انوار" آتی ہے۔ آپ کے یہاں کتنے بھائیوں کے نام انوار ہوں گے۔ ممکن ہے دو چار انوار بھی مل جائیں تو نور کی جمع نہ صرف یہ کہ موجود ہے بلکہ غیر فصیح بھی نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں نور ایک ہی ہے اور ظلمات کا کوئی حساب و شمار نہیں۔ ظلمات ایک کروڑ بھی ہوسکتی ہیں لیکن نور ایک ہوگا۔ **ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور۔** جس کے لئے اللہ کی جانب سے نور نہ ملے اس کے لئے نور کا کوئی ذریعہ اور سرچشمہ نہیں ہے۔ جس مذہب اور دین کی فطرت یہ ہے کہ اسی پر اس کو اصرار ہے کہ تنہا وہی حق ہے جس پر اس کو اصرار ہے کہ نور وایمان کے حدود معین ہیں اس کو اس پر اصرار ہے کہ اسلام ایک تمدن بھی رکھتا ہے یہ خالی عقائد کا نام نہیں ہے۔ جب مغربی تہذیب اپنے پورے تصورات کے ساتھ پورے اقدار حیات کے ساتھ پورے مقاصد کے ساتھ آئی تو اس کا اس سے ٹکراؤ لازمی تھا۔ ٹکراؤ ہوا اور خوب ہوا۔ پھر اس کے بعد ایک دوسرا سانحہ پیش آیا کہ اس ملک وقوم کے ذہین کھاتے پیتے گھرانے کے نوجوانوں نے مغربی تعلیم حاصل کی اور عوام اپنی اسی حالت پر رہے۔ وہ اسی ورثہ کو اپنے سینے سے لگائے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نیا تعلیم یافتہ طبقہ عوام کے تصورات اور عوام کے احساسات وجذبات سے اتنا بیگانہ بن گیا کہ جیسے ایک نئی قوم پیدا ہوتی ہے یعنی دو نئی قومیں پیدا ہوگئیں۔ اور دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے محسوس کیا اور تجربوں کے بعد اس کو یہ معلوم ہوا کہ اگر وہ زندگی چاہتا ہے، قیادت باقی رکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ عوام کے اس دینی جذبہ کو یا تو اتنا فنا کردے یا اتنا کمزور کردے کہ وہ اس کے راستہ میں مزاحم نہ ہو نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے تعلیم کے ذریعہ، ابلاغ کے ذرائع کے ذریعہ، صحافت کے ذریعے ادب ولٹریچر کے ذریعہ یہاں تک کہ شاعری کے ذریعہ عوام کی اس دینی حمیت کو، اس اسلامی غیرت کو اور ان کی اس ذکاوت حس کو ختم کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اب مستقل معرکہ پیش آیا ان ملکوں کو کہ انہوں نے دیکھا کہ اگر ہمیں رہنا ہے تو عوام اگر اسی طرح رہے، ان کے یہی احساسات وجذبات رہے تو کبھی یہ عوام ہمارے خلاف صف آراء ہوسکتے ہیں۔ یہ میں کہانی سنا رہا ہوں آپ کو مصر کی، شام کی، عراق کی، ترکی کی۔ میں نہیں کہتا کہ یہ ہر ملک کی کہانی ہے اور خدا کرے اس ملک میں یہ ڈرامہ کبھی اسٹیج نہ ہو لیکن ہے یہ ترقی یافتہ مسلم ممالک کی کہانی۔ ایک طبقہ ایسا پیدا ہوگیا جو اسلام سے نہ صرف یہ کہ بیگانہ تھا بلکہ اس کو اس سے ایک طرح کا بعد اور وحشت تھی۔ یہ عوام کا کیا حال ہے یہ بالکل چھوئی موئی بن گئے ہیں۔ چھوئی موئی کو ہاتھ لگایا اور وہ سمٹ گئی شرما گئی۔ تو کیا عوام بالکل چھوئی موئی ہیں۔ ان کا عقیدہ اتنا کمزور ہے۔ ارے بھئی اگر کچھ لوگ شراب پیتے ہیں تو اس میں کون سی ایسی مصیبت آئی اور اگر ٹیلیویژن پر یہ سب کچھ دکھلایا جاتا ہے اور اس سے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے تو ایسی کیا قیامت آجاتی ہے۔ وہ کھائیں پئیں، دوکان اور کاروبار کریں۔ دولت پیدا کریں ان کو اس سے کیا تعلق ہے۔ مذہب تو ایک پرائیوٹ معاملہ ہے۔ ان کے اساتذہ نے اور مغرب کی یونیورسٹیوں نے ان کے دل و دماغ میں یہ بات اتاردی ہے کہ مذہب کو ایک شخصی معاملہ سمجھا جائے۔ ان کے ذہن نے پہلے سے اس کو قبول کرلیا۔ اب یہاں وہ آئے تو دیکھا کہ عوام حکومت کے معاملہ میں دخل دیتے ہیں، تنقید کرتے ہیں، بات بات میں متاثر بلکہ مشتعل ہوجاتے ہیں۔ انہوں نے ایک نیا محاذ کھولدیا۔ جمال عبدالناصر کے دور میں مصری عوام کے خلاف مصر کی ساری طاقت اور اس کی مشینری لگ گئی۔ فوج پولیس بن گئی۔ مصر کے سارے وسائل وذخائر اور مصری قوم کی ساری توانائیاں اور جو جماعت برسر حکومت تھی اس کی ساری ذہانت اس جذبہ کے کچلنے میں لگادی گئی جو ان کے لئے کسی وقت بھی آگ کی صورت اختیار کرسکتی تھی۔ جو دور جمال عبدالناصر کی لیڈرشپ کا گزرا یہ بجائے اسرائیل سے لڑنے کے، بجائے کمیونزم سے لڑنے کے، بجائے الحاد سے لڑنے کے یہ پُرامن شہریوں سے لڑنے میں صرف ہوا اور ان دینی اور اسلامی تحریکوں کے ختم کرنے میں خرچ ہوا۔ اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی، اس کے اثرات کہاں تک باقی رہے یہ کہنا مشکل ہے لیکن یہی حقیقی جنگ تھی جو وہاں لڑی گئی۔ یہی حقیقی جنگ ہے جو شام وعراق اور لیبیا وتونس الجزائر اور مراکش میں لڑی جارہی ہے۔ کہیں گرم کہیں نرم۔ میں عرب ملکوں کے علاوہ کسی غیرعرب ملک کا نام نہیں لوں گا۔ یہ مصنوعی کارزار پیدا کی ہے۔ ان دو فلسفوں نے ان دو متوازی نظام تعلیم نے۔ ہمارے مدارس میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ تو قال اللہ وقال الرسول کی تعلیم ہے۔ اور یہاں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ اس نفی کی تعلیم ہے۔ جب انگریزی دور اقتدار (غیرمنقسم) ہندوستان میں آیا اور انگریزوں کا نظام تعلیم آیا تو اکبر نے وہ شعر کہا جس سے بہتر شعر آج تک جدید لادینی نظام تعلیم اور اس کے دور رس نتائج کے متعلق آج تک کسی نے نہیں کہا۔ مغربی

نظام تعلیم کے اثرات کے بارے میں اس سے زیادہ سادہ الفاظ میں اس سے زیادہ گہری حقیقت نہیں بیان کی گئی ہے

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

انہوں نے اس حقیقت کو بیان کیا کہ فرعون نے اپنی عبادت اور کند ذہنی سے خواہ مخواہ اپنے خلاف اتنا پروپگنڈا کرایا اور اپنے لئے اتنی مشکلات پیدا کیں کہ آج تک صحف سماوی تک میں وہ علامت ہے جبر استبداد کی، وہ نظام تعلیم بدل دیتا تو بجائے بدنامی کے نیک نامی ہوتی اس کو جہالت کی ایک علامت سمجھنے کے علم کا سرپرست مانا جاتا، مربی مانا جاتا، اس کے نام سے کتنی یونیورسٹیاں قائم ہوتیں، کتنی اکادمیاں قائم ہوتیں۔ سعودی عرب میں بھی مغربی نظام تعلیم سے اب یہ کشمکش پیدا ہو رہی ہے۔

ہر ایسے ملک کو جس کو اسلام کی خدمت کرنی ہے اور جس کو اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ہے، اپنے ملک کو اس ذہنی کشمکش سے بچانا ہے۔ اس لئے کہ اس ذہنی کشمکش کے شروع ہو جانے کے بعد پھر وہ ساری ذہانتیں اور قوت عمل وہ سب کی سب اس میں لگ جاتی ہیں۔ ملک کی تعمیر میں ملک کو مستحکم کرنے میں سالمیت کی حفاظت میں جو توانائیاں صرف ہونی چاہئیں اس میں صرف ہوتی ہیں۔ کون جیتے کون ہارے۔ کس کا فلسفہ اخلاق کس کا فلسفہ مابعد الطبعیات کس کا فلسفہ حیات غالب اور کارفرما ہے۔

میں اس جامعہ سے توقع کرتا ہوں کہ دوسری جامعات کے مقابلہ میں وہ یہ اصلاحی قدم پہلے اٹھائے گی۔ اس لئے کہ جس مفکر اسلام سے اس کو نسبت ہے وہ موجودہ نظام تعلیم سے غیر مطمئن تھا۔ وہ اسلامی ملکوں میں اس نظام تعلیم کے نافذ ہونے سے ہراساں و ترساں رہتا تھا وہ اگر زندہ ہوتے تو شاید مطالبہ اس کا کرتے کہ سب سے پہلے نظام تعلیم بدلا جائے۔ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ یہ وہ تیزاب ہے جس میں انسان کی خودی کو ڈال کر بالکل تحلیل کر دیا جاتا ہے

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے ایک ڈھیر

عمان میں ایک مکالمہ تھا۔ استاد کمال شریف جو آج کل وہاں وزیر اوقاف ہیں، وہ میں اور سعودی عرب کے ایک فاضل شیخ احمد جمال تینوں سے سوال کئے جا رہے تھے۔ یہ مکالمہ ریڈیو پر بھی نشر ہوتا تھا۔ مجھ سے کہا گیا اس وقت کی سب سے بڑی مصیبت خصوصاً نوجوانوں کی پریشانی کا اصل سبب کیا ہے؟ میں نے کہا زندگی کا تضاد وہ بیک وقت اتنی متضاد چیزیں دیکھتے ہیں۔ گھر کا نقشہ کچھ دیکھتے ہیں۔ باپ دادا کی روایت کچھ سنتے ہیں۔ اسکول یا کالج جا کر کچھ سنتے ہیں ادب پڑھتے ہیں اور لٹریچر دیکھتے ہیں تو اس میں کچھ دعوت پاتے ہیں۔ ریڈیو۔ ٹیلیویژن پر تفریح حاصل کرتے ہیں وہ ان کو کچھ اور دیتا ہے۔ اس نے ایسا کنفیوژن (CONFUSION) پیدا کر دیا ہے کہ فیصلہ نہیں کر پاتے۔ عجب تک یہ حالت ہے کہ ایک گاڑی میں دو گھوڑے جتے ہوئے ہیں۔ ایک مشرق کی طرف لے جا رہا ہے ایک مغرب کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس گاڑی اور گاڑی پر بیٹھنے والے مسافر کا اللہ ہی حافظ ہے۔ یہ تضاد سوسائٹی سے ہمارے نظام تعلیم سے ختم ہونا چاہیئے۔

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی گزارشات ختم کرتا ہوں اور میں وائس چانسلر صاحب کا، جسٹس افضل چیمہ صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے سفارش کی اور میں یہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ

رپورٹنگ: الطاف حسین

شالیمار ایکسپریس لاہور، کراچی کی یک طرفہ مسافت شیڈول وقت سے ایک گھنٹہ کم میں طے ہو سکتی ہے

پاکستان کی پہلی لوئر ایئرکنڈیشنڈ گاڑی ۵ نومبر کو کراچی کے لئے اپنے افتتاحی سفر پر روانہ ہوئی اور ۷ نومبر کو کراچی سے لاہور واپس پہنچی۔ اس گاڑی میں تقریباً پینتالیس صحافیوں کی ایک ٹیم بھی ساتھ تھی۔ ہم بھی اس گاڑی کے افتتاحی سفر سے محظوظ ہوئے جس کی رپورٹ نذر قارئین ہے۔ (الطاف)

۵ نومبر کی صبح ریلوے اسٹیشن لاہور پر غیر معمولی گہما گہمی تھی۔ ریلوے کا عملہ اپنی روایات سے ہٹ کر کافی مستعد نظر آ رہا تھا۔ یہ سب اس وجہ سے تھا کہ چیئرمین ریلوے بورڈ اور ممبران بہ نفس نفیس اسٹیشن پر موجود تھے۔ پاکستان کی ریلوے تاریخ میں یہ سب سے پہلی لوئر کلاس ایئرکنڈیشنڈ گاڑی اپنے پہلے سفر پر چھ بجے کراچی کے لئے روانہ ہو رہی تھی۔

یہ گاڑی اسلام آباد کیرج فیکٹری میں مکمل ہوئی ہے جس میں چھ ایئرکنڈیشنڈ اور تین درجہ دوئم کی بوگیاں ہیں۔ پاکستان ریلویز نے آج کے افتتاحی سفر میں صحافیوں کے لئے بوگی نمبر ۶ مختص کی تھی تاکہ یہ حضرات بچشم خود اس نئی گاڑی کے سفر اور اس سے متعلق دیگر معلومات کو عوام کے سامنے رکھ سکیں۔

ہم صحافیوں کی پینتالیس ممبران کی فہرست میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس گاڑی کا باقاعدہ افتتاح چیئرمین ریلوے بورڈ جناب گلزار احمد صاحب نے کیا۔ یہ گاڑی اپنے وقت مقررہ پر کراچی کے لئے روانہ ہوئی۔ صحافیوں کے علاوہ چیئرمین ریلوے بورڈ اور دیگر ممبران ریلوے بورڈ بھی اس گاڑی سے سفر کر رہے تھے۔

سابقہ پروگرام کے مطابق وزیر ریلویز نے اس گاڑی میں افتتاحی سفر کرنا تھا لیکن ۵ نومبر کے کابینہ کے اجلاس کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے لہذا ان کی نمائندگی ان کے جواں سال پی۔ آر۔ او مسٹر شکیل اختر کر رہے تھے۔

اس گاڑی کے دونوں درجوں میں تقریباً ساڑھے سات سو مسافر سفر کر سکیں گے۔ اس کی بکنگ کراچی سے لاہور اور لاہور سے کراچی تک ہوا کرے گی۔ اور راستہ میں یہ صرف دو مقامات خانیوال اور روہڑی میں پانی اور گاڑی کی جنرل چیکنگ کے لئے رکا کرے گی۔

یہ پاکستان کی سب سے پہلی گاڑی ہے جس میں پبلک اناؤنسمنٹ کا انتظام ہے اور دوران سفر مسافروں کی سہولت کے لئے چند مقامات سے گزرتے ہوئے ان کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر مختصر تعارف کرایا جائے گا۔ اس کے علاوہ دیگر اعلانات اور لطیفوں سے مسافروں کو محظوظ کیا جائیگا۔ ہر بوگی کے ساتھ دو پاکستانی طرز کے (TOILITS) اور ایک یورپین طرز کے ٹوائلٹ کے علاوہ ٹھنڈے پانی کے کولر اور ایک بوتل کولر منسلک ہیں۔ ہر نشست کے سامنے فولڈنگ میز جو بوقت ضرورت کھانے اور دیگر RFFRESHMENTS کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔

اس گاڑی میں یہ بھی خوبی ہے کہ اس کے پاکستانی طرز کے ٹائلٹس میں لوٹے اور تولیوں کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ یہ تمام سہولیات صرف لوئر ایئرکنڈیشنڈ بوگیوں میں ہی حاصل ہیں۔

اپنے افتتاحی سفر میں شالیمار ایکسپریس ٹھیک وقت پر خانیوال پہنچی۔ لوگوں کی بھاری تعداد اس گاڑی کو ایک نظر دیکھنے کے لئے سٹیشن پر موجود تھی۔ خانیوال کے صحافی ریلوے کے اعلیٰ حکام سے اپنے سٹیشن کی مشکلات کے سلسلہ میں تبادلہ خیال کے لئے

موجود تھے۔

شیڈول کے مطابق اس گاڑی میں پندرہ منٹ کے مختصر وقفہ میں پانی بھرنا اور تمام گاڑی کی چیکنگ شامل ہے۔ خانیوال کے سٹیشن پر یہ کام بہ احسن مکمل ہوا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آج سارا ریلوے بورڈ اس گاڑی میں موجود تھا۔ خانیوال ریلوے اسٹیشن کا تمام عملہ غیر معمولی مستعد نظر آرہا تھا۔ قلیوں سے لے کر اسٹیشن ماسٹر تک اپنی مکمل وردی میں موجود تھے لیکن اکثر صحافیوں نے اپنی نشستیں چھوڑ کر پلیٹ فارم پر اترنے کی بھی زحمت نہ کی وگرنہ انہیں

اب گاڑی سابقہ ریاست بہاولپور کے علاقے میں سے گزر رہی ہے۔ اناؤنسر نے سمہ سٹہ کے قریب اس کا مختصر سا تعارف کرایا۔

ایک بجے کے بعد دوپہر کا کھانا دیا گیا اور چھ گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد اپنے وقت سے بیس منٹ پہلے ہم تین بجکر چالیس منٹ پر روہڑی پہنچے۔

روہڑی سے مقررہ وقت پر چار بجکر پچیس منٹ پر روانہ ہوئے۔ اب تک ہم دس گھنٹوں میں سات سو چھبیس کلومیٹر کا سفر طے کرچکے تھے مزید روہڑی سے کراچی تک چار سو اسی کلومیٹر

چلنے والی گاڑیوں کے علاوہ ریلوے کی سڑک پر چلنے والی گاڑیاں بھی چشم براہ رہتی ہیں۔

دورانِ سفر انکشاف ہوا کہ کافی صحافی کراچی اپنے اپنے کام سے جارہے ہیں اور شالیمار ایکسپریس" سے واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے کیونکہ ریلوے کی طرف سے جاری کردہ پاس ایک مہینہ تک کارآمد ہیں۔ ریلوے کا محکمہ صحافیوں کے لئے "ٹھیک ٹھاک عیاشی" فراہم کرتا ہے۔ یعنی اس قسم کے پروگراموں کے لئے آمد و رفت کے ایئر کنڈیشنڈ سفر کے علاوہ دورانِ سفر ناشتہ، کھانا، چائے اور

درجہ دوئم میں پینے کے لئے پانی، گاڑی میں ایک عام اشیاء

اور میڈیسن پر مشتمل شاپ کی اشد ضرورت ہے

اپنے پیشے سے انصاف کرتے ہوئے سٹیشن پر موجود لوگوں سے بات چیت کرنی چاہئے تھی۔

۹ بجکر ۵۱ منٹ پر گاڑی خانیوال سے روانہ ہوئی براستہ ملتان کی بجائے کارڈ لائن کے ذریعے جایا کرے گی۔ اس طرح ۳۰ میل مسافت کی بچت ہوجاتی ہے۔

ریلوے منسٹر کے پی۔ آر۔ او شکیل صاحب اپنا زیادہ وقت پبلک ریلیشنگ پر صرف کررہے تھے۔ اسی شعبہ میں یہ صاحب وقت سے پہلے ہی بالغ ہوتے نظر آرہے ہیں۔

ریلوے بورڈ کے چیئرمین کے پی۔ آر۔ او مسٹر یحییٰ اور ان کے معاونین محمد علی بام اور جعفری صاحب صحافیوں کی ہر قسم کی خاطر تواضع میں مصروف ہیں۔ اکثر صحافی اونگھ رہے ہیں۔ کچھ صحافی دو ٹکڑیوں میں بٹ کر تاش کھیلنے میں مگن ہیں۔

گیارہ بجے کے قریب بوگی نمبر ۶ کے مکینوں کو گرم گرم چائے اور بسکٹ پیش کئے گئے۔

یہاں پر پی۔ آر۔ او وزیر ریلویز اور ملک کے دو نامور صحافیوں عطاالحق قاسمی اور امجد اسلام امجد کے درمیان سوہن حلوہ کی تقسیم پر لطیفہ بازی ہوئی

کا سفر برصغیر کی ریلوے تاریخ کی نان سٹاپ سب سے لمبی مسافت ہے۔ ہم نے مختلف سٹیشنوں پر متعین عملہ کو چاق وچوبند پایا انہیں معلوم تھا کہ ریلوے کے حکام بالا اس گاڑی سے سفر کررہے ہیں اور گاڑی کے غیر امکانی رکنے کے انجانے خوف سے وہ ایسا کررہے تھے۔

شام کی چائے سے اونگھتے ہوئے صحافی ہوش میں آگئے اور دوبارہ لطیفہ بازی میں مصروف ہوگئے۔ پی۔ پی۔ آئی کے ممتاز صحافی جناب مصباح الحق گاڑی کے ہر اسٹیشن پر BEFORE TIME ہونے کی نوید سنا رہے تھے اور اس بات پر اصرار کررہے تھے کہ گاڑی کے وقت میں ایک گھنٹہ کی بچت کی جاسکتی ہے۔ مصباح الحق ریلوے معاملات میں جتنی معلومات رکھتے ہیں اتنی شاید وہ ملکی سیاسیات میں بھی نہ رکھتے ہوں۔ ریلوے کی ہر چھوٹی بڑی خوبیوں اور خامیوں پر ان کی گہری نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریلوے حکام انکی ناز برداریوں میں کوتاہی نہیں کرتے اور ان کے لئے ریل پر

بوتلوں کی فراہمی، منزلِ مقصود پر ٹھہرنے کے لئے فرسٹ کلاس رہائش لیکن اس پر مستزاد یہ کہ فی کس صحافی دو صد روپے نقد دیا جاتا ہے۔ دراصل یہ شاہ خرچی بھی سابقہ حکومت کے کارناموں کی ایک یادگار ہے۔ نہ معلوم یہ صحافی رشوت" اب تک کیوں جاری ہے۔ سابقہ حکومت کے سابقہ وزیر ریلوے نے ترنگ میں آکر یہ رقم مخصوص کی تھی۔

تقریباً آٹھ بجے رات کا کھانا مہیا کیا گیا۔

کھانے کے دوران ایک لطیفہ ہوا کہ بجلی فیل ہوگئی۔ صحافیوں نے اپنے مخصوص انداز میں شور مچایا۔ گاڑی کے ساتھ بجلی سے متعلق عملہ نے اسقدر مستعدی دکھائی کہ دو ہی منٹ میں بجلی لوٹ آئی وگرنہ شدید گرمیوں میں بھی دس دس گھنٹے ایئر کنڈیشنڈ بند رہتے ہیں لیکن آج تو چیئرمین صاحب ساتھ تھے۔

ہم کراچی کے مضافات میں پہنچے تو ایسا لگتا تھا کہ ہم آدھ گھنٹہ پہلے کراچی پہنچ جائیں گے لیکن شاید ڈرائیور بھانپ گیا کہ مسافروں اور ان کا استقبال کرنے والوں کو پریشانی ہوگی کیونکہ

وقت سے پہلے پہنچ کر اکثر مسافر اپنے استقبال کرنے والوں کا انتظار کرتے ۔

ساڑھے دس بجے رات ہم کراچی پہنچ گئے اس طرح ساڑھے سولہ گھنٹے میں مسافت طے ہوئی ۔ صحافیوں کی آدھی کھیپ اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ غائب ہو گئی ۔ باقی حضرات صدر اسٹیشن سے بالمقابل کھڑی گاڑی کے ایئر کنڈیشنڈ کوچز میں شب بسری کے لئے پہنچ گئے ۔

صحافیوں کے پاس ۶ نومبر کا مکمل دن سیر و تفریح اور اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لئے فارغ تھا ۔ اسی رات کراچی ریلوے افسران نے چیئرمین ریلوے بورڈ و دیگر ممبران اور مہمان صحافیوں کے اعزاز میں عشائیہ ترتیب دیا تھا ۔ تقریباً تمام مدعوئین ساڑھے سات بجے ریلوے ہال انسٹی ٹیوٹ میں پہنچ چکے تھے لیکن ساڑھے آٹھ بجے مین ڈنر کے وقت کسی صحافی نے شوشہ چھوڑ دیا کہ آج شالیمار ایکسپریس کے سلسلے میں ٹی ۔ وی والے ایک فلم خبرنامے میں دکھا رہے ہیں ۔ پھر کیا تھا فوراً ایک عدد ٹی ۔ وی مہمانوں کے سامنے رکھ دیا گیا ۔ لیکن ساڑھے نو بجے تک بمعہ چیئرمین ریلوے بورڈ تمام افراد کی آنکھیں ٹی ۔ وی کی طرف ٹکٹکی لگائے تھک گئیں فلم کا کہیں دور دور تک پتہ نہ تھا ۔

ریلوے بورڈ کا پبلک ریلیشنگ کا عملہ کافی خفت محسوس کر رہا تھا خصوصاً جعفری صاحب تو چیئرمین کے سامنے آنے کی تاب نہ لا رہے تھے لیکن چیئرمین صاحب اپنے مخصوص شریفانہ انداز میں کسی سے بھی باز پرس کئے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے اور تمام مہمانوں کے ساتھ ریلوے افسران کراچی کی طرف سے دئے گئے پر تکلف ڈنر میں شرکت کی ۔

چیئرمین ریلوے بورڈ گوناگوں خوبیوں کے مالک ہیں ۔ وہ سادہ طبیعت رکھتے ہیں اور سادہ لباس پہنتے ہیں ۔ افسر شاہی مزاج سے ہٹ کر اپنے ماتحت عملے سے گھل مل جانا ان کی عادت ہے اور اسی مناسبت سے ان کے شعبہ پبلک ریلیشنگ میں محمد یحییٰ اور محمد علی بام انتہائی ملنسار ہنس مکھ محنتی واقع ہوئے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے تعلقات سے ریلوے کی خامیوں کو بھی پریس میں آنے سے بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں ۔

۷ نومبر کو شالیمار ایکسپریس ٹھیک صبح چھ بجے کراچی سے روانہ ہوئی ۔ تقریباً سات بجے صحافیوں کو ناشتہ دیا گیا اور ہم پونے نو بجے حیدرآباد پہنچے ۔ یہاں چند منٹ کے لئے گاڑی رک گئی ۔ ہم لوگ نیچے اترے ۔ ایسا لگتا تھا کہ ریلوے افسران نے اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے یہ بندوبست کیا ہے ۔

روہڑی سے ادھر لاکھا روڈ اسٹیشن پر گاڑی رکی ۔ صحافیوں نے فی البدیہہ لطائف کا تبادلہ کیا ۔ ایک طرف سے آواز آئی کہ بھائی آج تو گاڑی ایسے ہی لیٹ جائے گی کیونکہ چیئرمین صاحب گاڑی کے ساتھ نہیں ۔ دوسرے نے کہا نہیں یار (ایک صحت مند صحافی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میں نے انہیں کہا تھا جگہ بدل لو لیکن یہ نہ مانا اور اس کی طرف کا پہیہ پنکچر ہو گیا لیکن صحیح صورت حال یہ تھی کہ ایک مال گاڑی پٹڑی سے اتر گئی ویسے DRAILMENT ریلوے کا روز کا معمول بن چکا ہے ۔ ہم روہڑی مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ لیٹ ہو چکے تھے ۔ صحافیوں نے قلم سنبھالے کہ چلو خبر بنی لیکن بعد ازاں یہ لیٹ نکال لی گئی ۔

روہڑی گزرنے کے بعد دوپہر کا کھانا دیا گیا جو کہ کل سے کافی بہتر تھا ۔ ہم چھ بج کر بیس منٹ پر خانیوال پہنچ گئے اور اس طرح روہڑی سے خانیوال تک "شالیمار ایکسپریس" ایک گھنٹہ لیٹ نکال کر پندرہ منٹ BEFORE TIME ہو چکی تھی اور گاڑی مقررہ وقت پر ساڑھے دس بجے لاہور پہنچی ۔ "شالیمار ایکسپریس" کا افتتاحی سفر بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا ۔

آخر میں ہم ریلوے کے اعلیٰ حکام کی توجہ "شالیمار ایکسپریس" میں چند اصلاحات کی طرف مبذول کراتے ہیں ۔

شالیمار ایکسپریس کی یک طرفہ مسافت ساڑھے سولہ گھنٹے کے بجائے ساڑھے پندرہ گھنٹے میں طے ہو سکتی ہے ۔ یہ بات افتتاحی سفر سے واضح ہو گئی ہے ۔ اور اس وقت میں خانیوال اور روہڑی کے پندرہ منٹ کے (STOPS) کو بیس منٹ تک بڑھانا ضروری ہے کیونکہ پندرہ منٹ کا وقفہ کم ہے ۔

لوئر کلاس ایئر کنڈیشنڈ کی بوگیوں میں پینے کے ٹھنڈے پانی کا انتظام ہے جبکہ درجہ دوم کے مسافروں کے لئے ایسا کوئی بندوبست نہیں ہے کیونکہ چھ گھنٹے سے زائد سفر کے دوران مسافر پیاس سے بلک اٹھیں گے ۔ افتتاحی سفر کے وقت موسم خاصا ٹھنڈا ہو چکا تھا ورنہ اعلیٰ حکام کو اس سفر میں ہی پتہ چل جاتا ۔

پبلک اناؤنسنگ کا انتظام خاصا ناقص ہے ۔ ایک بوگی کے عام حصے کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس کی وجہ سے آواز صاف نہیں ہے ۔ اس کے لئے خاص قسم کا چھوٹا سا کیبن بنانا ضروری ہے ۔ راستہ میں تاریخی اہمیت کے حامل شہروں کے قریب سے گزرتے ہوئے ان کی مختصر سی تاریخ بیان کر دی جائے ۔

اس کے علاوہ اگر پبلک اناؤنسنگ کا دائرہ کار

باقی صـ ۲۸ پر

صحافیوں کو سفر اور دوران سفر کی تمام سہولیات منزل مقصود پر پہنچانے کے علاوہ دو صد روپیہ فراہم کرنا رشوت کے مترادف ہے

برصغیر پاک و ہند کا سیاسی پس منظر

مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کے ساتھ ہی برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی حکومت کا سنہری دور اختتام پذیر ہو گیا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد ہندوستان کا مضبوط اور مستحکم مرکز منتشر ہو کر رہ گیا۔ ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف ریاستوں اور صوبوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس طرح برعظیم پاک و ہند میں مغل بادشاہت ختم ہو گئی۔

یہ وہ دور تھا جب برطانوی عفریت نے دنیا کے مختلف علاقوں خصوصاً برعظیم پاک و ہند پر قبضہ جمانے کے لئے اپنے دانت تیز کرنا شروع کر دیئے تھے۔ ہندوستان کے کمزور مرکز اور صوبوں اور ریاستوں کے اعلان خود مختاری نے برطانوی سامراج کو گُل کھلانے کا بہترین موقع فراہم کیا۔

ہندوستان میں تجارتی اغراض کے تحت پہنچنے والے انگریزوں نے سیاسی انتشار سے فائدہ اٹھایا اور ہندوستان کو غلام اور اپنی کالونی بنانے کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ ابتدا میں ہندوستان کے بعض صوبے داروں (حاکموں) اور والیان ریاست نے انگریزوں کی ان حرکات کا سنجیدگی سے نوٹس لیا اور برطانوی غاصبوں کو ہندوستان سے نکالنے کی کوشش کی۔

ان حریت پسندوں میں نواب سراج الدولہ اور ابوالفتح المعروف سلطان ٹیپو شہید بن حیدر علی کے نام سرفہرست ہیں۔ ان کی جدوجہد ہندوستان میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو روکنے اور مسلمانوں کی حکمرانی کی بحالی کے لئے تھی۔

شاہ ولی اللہؒ

شاہ ولی اللہ رح جنہوں نے برعظیم پاک و ہند میں اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کے بعد مسلمانوں کے اقتدار کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالا دینے کی بھرپور کوشش کی، عالمگیر کے انتقال سے صرف چار سال قبل ۱۷۰۳ء بمطابق ۴ شوال ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔

دہلی کے تخت کے حصول کے لئے کھیلے جانے والے ڈرامے آپ نے نوعمری میں ہی دیکھنا شروع کر دیئے تھے جس نے آپ کی طبیعت کو نہایت درجہ حساس بنا دیا تھا۔ اللہ نے آپ کے قلب کو درد اور نظر کو دوررس بصیرت عطا فرمائی تھی۔ انہیں اوصاف کی بنا پر آپ نے تیس سال سے کم عمر کے زمانے میں حج کا ارادہ کیا جو آپ کی روح کے لئے شفا اور درد کے لئے تسکین ثابت ہوا۔ ۱۷۳۰ء میں آپ حجاز تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں دو سال قیام فرمایا اور اس عرصہ میں روحانی اور علمی تشنگی دور فرمائی۔

اس قیام کے دوران حضرت شاہ ولیؒ نے یورپ، افریقہ اور ایشیائی زائرین سے ان ممالک سے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کیں اور اس دور کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ترکی (سلطنت عثمانیہ) کے اندرونی معاملات کا بغور جائزہ لیا۔

ترکی، یورپ، افریقہ اور ایشیائی ممالک کے تنقیدی مطالعہ نے آپ پر واضح کر دیا کہ وہ تمام خرابیاں جو دنیائے اسلام کو روز بروز تباہی اور بربادی کی جانب گھیرے لئے جا رہی ہیں، وہ ان کی ملوکیت اور شاہ پرستی ہے جو کسی زمانے میں سود مند رہی ہو گی مگر اب یہ نظام اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ چنانچہ آپ نے فوری طور پر اس نظام کو پاش پاش کر دینے کا عظیم فیصلہ کیا۔ آپ مکہ معظمہ میں ہی قیام فرما تھے جب آپ کے ضمیر نے پرانے نظام کے خاتمے اور ایک نئے "انقلابی نظام" کا جرس سنایا۔

اس انقلابی پروگرام کے پہلے مرحلے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے آپ نے ایک مرتبہ پھر برعظیم پاک و ہند اور بیرونی دنیا کے حالات کا بغور جائزہ لیا۔ خرابیوں کی نشاندہی کی، بڑے بڑے جاگیرداروں، امراء، نوابین اور بادشاہوں پر آپ نے ان خرابیوں کو واضح کیا جو اس پرانے اور فرسودہ نظام کے نقیب تھے۔

آپ نے ان قباحتوں اور برائیوں کو نہ صرف ان پر واضح کیا بلکہ انہیں مستقبل میں پیش آنے والے متوقع نتائج سے بھی آگاہ کیا۔

شاہ ولی اللہ کے
انقلابی معاشی نظریات

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی تصانیف حجۃ اللہ البالغہ میں ان انقلابی نظریات اور اصولوں کی نشاندہی بھی کی جو قومی تعمیر نو کے سلسلہ میں آئندہ بنیاد کے طور پر استعمال کئے جانے تھے۔ آپ نے اس دور میں پہلی مرتبہ دنیا کے سامنے یہ انقلابی معاشی نظریہ پیش کیا کہ "دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔" مزدور اور کاشتکار ہی اصل قوت کاسبہ ہیں۔ انکا باہمی تعاون ہی قومی ترقی کی اولین شرط ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک و قوم کے لئے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا اپنا کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔

اس طرح آپؒ نے پہلی مرتبہ مزدور اور محنت کش کو اس کے حقیقی مقام اور مرتبہ سے آگاہ کیا۔ یہی اصول بعد ازاں کمیونزم کے پرچارک کارل مارکس نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

شاہ ولی اللہؒ نے حکمرانوں پر زور دیا کہ ملک سے جوا، سٹہ اور عیاشی کے تمام اڈے بند کر دیئے جائیں۔ آپؒ کے نزدیک ان برائیوں کی موجودگی میں معاشرے کی اصلاح کے لئے صحیح نظام قائم نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی ایسا کئے بغیر ملک و قوم کی دولت میں اضافہ ممکن تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کا خیال تھا کہ اس طرح دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے مزدوروں، کاشتکاروں اور دیگر محنت کشوں بشمول اساتذہ اور دانشوروں پر زور دیا کہ وہ ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں۔ ان کے نزدیک پیدائش دولت کے ذمہ دار اور مستحق ایسے ہی لوگ ہیں۔

انہوں نے فرمایا "محنت کشوں، مزدوروں اور کاشتکاروں کی ترقی اور خوشحالی ہی درحقیقت ملک و قوم کی خوشحالی ہے اور سابقہ نظام جو فرسودہ ہو چکا ہے اگر اس فرسودہ نظام نے انقلابی قوتوں (کاشتکار، مزدور، محنت کشوں اور دانشوروں) کو دبانے کی کوشش کی تو اس کا ایسا کرنا ملک کے لئے خطرے کا باعث ہوگا۔ اس لئے انہوں نے مروجہ فرسودہ نظام کو ختم کرنے پر زور دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حکمرانوں کو نوشتہ[3] دیوار پڑھاتے ہوئے کہا:

"جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے، کاشتکاروں، مزدوروں اور محنت کشوں پر بھاری ٹیکس نافذ کرے ایسا سماج قوم کا دشمن ہے اور اسے ختم ہو جانا چاہیئے۔"

آپ نے فرمایا:

"ضرورت مند مزدور کی رضامندی قابل اعتبار نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اس[4] کی محنت کا وہ معاوضہ ادا نہ کیا جائے جو امداد باہمی کے اصول کے تحت لازم آتی ہے۔"

انہوں نے کہا:

ایسی[5] پیداوار اور آمدنی خلاف قانون ہے جو تعاون باہمی کے تحت حاصل نہ کی گئی ہو۔"

حضرت[6] شاہ ولی اللہؒ نے یہ انقلابی اصول بھی وضع کیا کہ:

"مزدوروں کے اوقات کار محدود کئے جائیں۔ انہیں اپنی اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لئے وقت اور مواقع فراہم کئے جائیں۔ نیز ان میں اپنے مستقبل سے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا کرنے کا شعور بھی پیدا کیا جائے۔"

آپ[7]ؒ نے سماج پر واضح کیا کہ:

"تجارت کے لئے باہمی تعاون ناگزیر ہے۔ اس لئے تجارت کو تعاون کے مسلمہ اصولوں پر ہی جاری رہنا چاہیئے جس طرح تاجروں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ بلیک مارکیٹ یا غلط کمپیٹیشن (COMPETITION) کے ذریعے روح تعاون کو ضعف پہنچائیں۔ بعینہ حکومت کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تاجروں اور صنعتکاروں پر بھاری ٹیکس عائد کر کے تجارت کے فروغ اور ترقی کی راہ میں رخنہ یا رکاوٹ پیدا کرے۔"

نیز[8] انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ:

"کوئی کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ تک محدود کر دے تو ایسا اکتناز زر (دولت کا چند ہاتھوں میں جمع ہونا) ملکی معیشت کے لئے تباہ کن ہے۔"

انہوں[9] نے واضح طور پر سماج کو بتانے کی کوشش کی کہ:

"شاہانہ نظام زندگی جس میں چند افراد یا چند خاندانوں کے عیش و عشرت کے باعث دولت کی منصفانہ تقسیم میں خلل پیدا ہو تو ایسی صورت میں سماج میں مروجہ نظام کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کو اس عذاب (نظام) سے نجات دلانا لازم ہے تاکہ عوام کو مساویانہ نظام زندگی قائم کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔"

شاہ ولی اللہؒ نے معاشی اصولوں میں ایک یہ اصول بھی وضع کیا کہ:

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ: باب سیاست المدینۃ، البدور البازغۃ، بحث الارتفاق الثالث اور الخیر الکثیر

۲۔ حجۃ اللہ البالغہ: باب ابتغاء الرزق

۳۔ حجۃ اللہ البالغہ: باب ابتغاء الرزق

۴۔ " " : باب سیاست المدینہ

۵۔ " " : باب الرسوم السائرۃ بین الناس

۶۔ " " : باب ابتغاء الرزق

۷۔ حجۃ اللہ البالغہ: باب ثانیۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم و باب ضبط المبہم

۸۔ " " : البیوع المنہی عنہا

۹۔ " " : باب الارتفاق الرابعہ و باب البیوع المنہی عنہا

زمین کا حقیقی مالک اللہ (اور سیاسی نظام کے اعتبار سے ریاست) ہے۔ ریاستی عوام کی حیثیت مسافر خانوں میں سکونت پذیر مسافروں کی سی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حق انتفاع میں دوسروں کی دخل اندازی قانونا ممنوع ہے۔"

شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی نظریات و بنیادی حقوق:

شاہ ولی اللہ نے ریاست کے سربراہ کو کسی وقف کے متولی کی حیثیت دیتے ہوئے کہا کہ "حاکمیت صرف اللہ کے لئے ہے۔ ریاست کا سربراہ، اس زمین پر اللہ کا خلیفہ اور نمائندہ ہے۔

کسی وقف (ریاست) کے متولی کی حیثیت سے اگر وہ (ریاست کا سربراہ) ضرورت مند ہے تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے جس سے وہ ریاست کے عام شہری کی طرح زندگی بسر کرسکے۔

انہوں نے کہا کہ "سارے انسان برابر ہیں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو مالک الملک، ملک الناس، مالک قوم یا انسانوں کی گردنوں کا مالک گردانے نہ کسی کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی صاحب اقتدار کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرے"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ انسان پر انسان کی حکومت اور مطلق العنانیت کے خلاف تھے۔ انہوں نے کسی ایسے سربراہ مملکت کی حمایت نہیں کی جو آمر یا بادشاہ کہلانا پسند کرے۔

آپ نے حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ میں تحریر فرمایا ہے:

۱۔ "روٹی، کپڑا، مکان اور اتنی استطاعت کہ کوئی شخص (شہری) شادی کرسکے اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرسکے، بلالحاظ مذہب و نسل، ریاست کے ہر انسان کا پیدائشی اور فطری حق ہے۔

۲۔ ریاست کا فرض ہے کہ وہ کسی نسل، رنگ یا مذہب کا فرق کئے بغیر تمام شہریوں کے معاملات میں یکسانیت سے ان کے ساتھ عدل کرے۔ ان کے جان و مال کی بلاتمیز حفاظت کرے۔ ان کی عزت و ناموس کے تحفظ کا بندوبست کرے۔ حق ملکیت کی آزادی دے۔ ریاست کے تمام شہریوں کو بلاتمیز رنگ، مذہب و نسل یہ تمام بنیادی حقوق حاصل ہوں جبکہ اپنی زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا متعلقہ طبقہ یا فرقہ کا بنیادی حق ہے۔

ان بنیادی حقوق کے تحفظ کے لئے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ نظریہ پیش کیا کہ خود مختار علاقے (ریاستیں بنائی جائیں جو اپنے معاملات میں آزاد ہوں۔ ہر اکائی یا یونٹ (ریاست) اتنا طاقتور ہو کہ وہ اپنے جیسے کسی دوسرے یونٹ کے اقدام کا مقابلہ کرسکے۔

یہ تمام اکائیاں یا یونٹ (ریاستیں) ایک ایسے بین الاقوامی (بلاک یا تنظیم) سے منسلک ہوں جو فوجی طاقت کے اعتبار سے اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو۔ اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ کسی مخصوص مذہب یا تہذیب کے کسی یونٹ پر حملہ کرسکے۔

شاہ ولی اللہؒ کے دینی نظریات

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا:

۱۔ داعیان صداقت (ریفارمر، مصلح) ہر ملک اور قوم میں گذرے ہیں۔ ان سب کا احترام لازمی ہے۔

۲۔ دین اور سچائی کی بنیاد ایک ہی ہے۔ اس کے پیش کرنے والے ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔

۳۔ سچائی اور دین کے بنیادی اصول تمام فرقوں میں تقریبًا یکساں طور پر تسلیم شدہ ہیں۔ مثلاً ہر ایک مذہب کے پیروکاروں کو اپنے پروردگار کی عبادت کرنا۔ اس کے لئے نذر نیاز دینا، صدقہ و خیرات کرنا۔ اسے خوش کرنے کے لئے روزہ رکھنا وغیرہ۔ یہ تمام کام سب کے نزدیک افضل ہیں، البتہ ان کی عملی صورتیں جدا جدا ہیں۔

۴۔ عالم انسانی کے سماجی اصول اور ان کے مقاصد ایک ہیں۔ ہر مذہب جنسی انارکی (بے راہروی) کو ناپسند کرتا ہے اور اسے اخلاقی جرم قرار دیتا ہے۔ جنسی تعلقات کے لئے عورت مرد میں ایک معاہدہ ضروری ہے۔ البتہ اس معاہدے کی مختلف معاشروں میں اور مذاہب میں مختلف صورتیں ہیں۔ اسی طرح مختلف مذاہب میں اپنے مُردوں کو نظروں سے اوجھل کرنے کے لئے انہیں دفن کیا جاتا ہے یا جلایا جاتا ہے۔

۵۔ جہاد ایک مقدس فرض ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مقدس اصولوں کے نفاذ کے لئے انسان اپنے اندر فدائیت کا جذبہ پیدا کرے یہاں تک کہ وہ ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنی عزیز ترین اشیاء حتیٰ کہ زندگی کو بھی فنا کردے۔

بقیہ: شالیمار ایکسپریس

درجہ دوئم کے کمروں تک بڑھا دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اس گاڑی میں ایک عام اشیاء پر مشتمل شاپ کھولدی جائے تاکہ دوران سفر مسافر اور بچوں کے لئے سویٹس و دیگر اشیاء خرید سکیں۔ اس کے ساتھ میڈیکل سٹور بھی ملحق کر دیا جائے تاکہ اگر دوران سفر مسافر کسی قسم کی تکلیف محسوس کریں تو مطلوبہ میڈیسن حاصل کرسکیں۔ یہ کام گاڑی کے دوران کھانا مہیا کرنے والی انتظامیہ بخوبی کر سکتی ہے کیونکہ اس مرتبہ ریلوے حکام نے خاصی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے ڈائننگ کار کا بندوبست ریلوے ہی کے ریلوے اسپورٹس کلب کے زیر اہتمام دے دیا ہے۔ ہماری رائے ہے کہ یہ انتظامیہ عام ٹھیکیداروں سے بہتر طریقے پر مسافروں سے برتاؤ کرسکتی ہے۔

جمعیۃ طلباء اسلام کا مرکزی تربیتی اجتماع ۲۳ نومبر سے شروع ہوگا'

قائد طلباء جاوید ابراہیم پراچہ وطن واپس پہنچ گئے'

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کی مرکزی شوریٰ میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ ذہنی تربیت اور فکری نشوونما کے لئے ہر ماہ سات روزہ تربیتی پروگرام منعقد ہوا کرے گا، جس میں طلباء کی ذہنی فکری اور عملی اصلاح کے مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک منتخب نصاب پڑھایا جائے گا اور ایک طالب علم کو مثالی بننے کے لئے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے، ان کی تربیت کا اہتمام کیا جائے گا۔ فیصلہ کے مطابق اجتماع میں ہر صوبہ سے مخصوص طلباء کو دعوت دی جایا کرے گی اور یہ نظام باقاعدہ چلتا رہے گا۔ اس سلسلہ میں یہ طے پایا کہ ابتدا میں اس اجتماع میں مرکزی عاملہ وشوریٰ اور چاروں صوبائی مجالس عاملہ کے اراکین شرکت کریں گے۔

حسب پروگرام یہ اجتماع ۲۳ تا ۳۰ نومبر مدرسہ انوار العلوم شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں منعقد کیا جا رہا ہے۔ متعلقہ حضرات کو باقاعدہ دعوت نامے ارسال کر دیئے گئے ہیں۔ مرکزی ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان نے تمام مدعوین حضرات کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنا وقت نکال کر پوری دلچسپی سے اجتماع میں شرکت کریں اور دلجمعی سے اجتماع کے پروگراموں میں حصہ لیں۔ اس موقع پر جمعیۃ طلباء اسلام کی اجتماعی کارکردگی کا بھی مفصل جائزہ لیا جائے گا۔

قائد طلباء کی واپسی:

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد وطن عزیز کو واپس پہنچ گئے ہیں اور کوہاٹ میں قیام پذیر ہیں۔ عنقریب وہ تنظیمی سرگرمیوں کا جائزہ لیں گے اور طلباء کو ہدایات جاری کریں گے۔ جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان، مشیر طلباء جناب میاں محمد عارف اور مرکزی ناظم مالیات جناب حافظ اطہر عزیز نے قائد طلباء کو حج کی سعادت ملنے پر مبارکباد دی ہے

دریں اثنا قائد طلباء جناب جاوید ابراہیم پراچہ نے طلباء کے نام ایک پیغام میں کہا ہے کہ

"حالات سے بے نیاز ہو کر اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔ راہ حق کے مسافر کسی مقام پر مایوس نہیں ہوا کرتے اور مشکلات کا ہر صورت میں مقابلہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اپنے اکابر کے کردار وعمل سے سبق سیکھیں اور مسلسل جدوجہد کے اصول کو اپنائیں۔

مرکزی راہنماؤں کا دورہ سندھ:

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی رہنما حسب پروگرام ۱۴ نومبر کو صوبہ سندھ کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ مرکزی راہنماؤں کے صوبہ سندھ کے دورے کی مفصل رپورٹ آئندہ شمارے میں شائع ہوگی۔

گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی میں علامہ خالد محمود کا خطاب:

مجلس علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی کے زیر اہتمام فیصل ہال میں ایک جلسہ ہوا۔

حضرت علامہ خالد محمود نے "منصب رسالت" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ رسالت کا منصب انتہائی نازک ہے۔ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ ان کی عصمت کا ضامن اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ اس کے بعد

گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی کے پرنسپل جناب شفقت حسین قادری نے علامہ صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ علاوہ ازیں مجلس علوم اسلامیہ کے صدر خالد محمود ٹیپو نے آخر میں علامہ صاحب کا اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔

مغل پورہ (لاہور)

گذشتہ دنوں جمعیۃ طلباء اسلام ضلع لاہور حلقہ مغلپورہ کے طلباء کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کے مہمان خصوصی خالد محمود ٹیپو تھے۔ انہوں نے تنظیم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے طلباء پر زور دیا کہ وہ منظم طریقے سے جدوجہد کریں۔ آخر میں طلباء کے مشورے سے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے طالب علم جاوید اقبال کو حلقہ مغلپورہ کا کنوینر مقرر کیا گیا اور محمد سعید پاک جرمن ٹیکنیکل سینٹر مغلپورہ اور محمد عرفان کو ان کا معاون بنایا گیا۔

ندیم اقبال اعوان لاء کالج میں:

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی ناظم عمومی جناب اقبال اعوان نے لاء کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور میں داخلہ لے لیا ہے۔ احباب دفتر جمعیۃ طلباء اسلام B/4، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور کے علاوہ ان سے ہوسٹل لاء کالج اولڈ کیمپس پنجاب یونیورسٹی کمرہ نمبر ۱۶۳ پر بھی رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔

شکیل الرحمٰن عابد شدید زخمی ہو گئے:

جمعیۃ طلباء اسلام ضلع لاہور کے سرگرم کارکن اور اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں بی۔ایس سی کے طالب علم جناب شکیل الرحمٰن عابد گذشتہ دنوں ویگن کے حادثے میں شدید زخمی ہو گئے۔ ان کی ٹانگ اور بازو کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ جمعیۃ طلباء اسلام کے مرکزی راہنماؤں ندیم اقبال اعوان، حافظ اطہر عزیز اور ضلع لاہور کے راہنماؤں خالد محمود ٹیپو، حافظ محمود اشرف کے علاوہ حضرت علامہ خالد محمود، حضرت مولانا محمد اجمل خاں، میاں محمد عارف اور مولانا منظور احمد چنیوٹی نے ہسپتال میں ان کی عیادت کی۔ احباب سے درخواست ہے کہ دعا کریں کہ اللہ رب العزت ان کو جلد صحتِ کاملہ سے نوازے۔

خبریں مرکزی دفتر کے پتہ پر ارسال کریں:

بعض ساتھی لاعلمی کی بناء پر جمعیت طلباء اسلام کی کارروائیاں اور خبریں ترجمانِ اسلام، چوک رنگ محل کے پتہ پر ارسال کرتے ہیں۔ ان سے درخواست ہے کہ اپنی خبریں B/4، شاہ عالم مارکیٹ، دفتر جمعیۃ طلباء اسلام کے پتے پر ارسال کریں ورنہ ان کی بھیجی ہوئی خبریں طلباء کی ڈائری میں جگہ نہ پا سکیں گی۔

عبداللہ ملک

مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ

کی مبسوط سوانح عمری اور تاریخ رقم کرتا ہے۔

یہ ایک عظیم شخصیت کی فقط داستان حیات ہی نہیں ہے بلکہ اس برصغیر میں مسلمانوں کے فکر کی پوری تاریخ ہے۔ جسے

عبداللہ ملک

نے اپنے مخصوص اسلوب میں قلم بند کیا ہے۔

یہ پہلی سوانح ہے جس میں

مولانا احمد علی کے زہد، تقویٰ اور پوری شخصیت ان کے اپنے زمانے کے ماحول، پس منظر اور مخصوص حالات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ پہلی سوانح ہے جس میں

مولانا احمد علی کی شرک، بدعت اور قبر پرستی کے خلاف جدوجہد کی روئیداد بیان کی گئی ہے اور اس پوری جدوجہد کو ایک وسیع کینوس میں رکھ کر دکھایا گیا ہے۔

یہ پہلی سوانح ہے جس میں

- مولانا احمد علی کی داستانِ حیات کے ساتھ ساتھ ان کے پورے خانوادے کی تاریخ تفصیل کے ساتھ قلم بند کی گئی ہے۔
- اس میں ان کے بھائیوں کا تذکرہ ہے۔
- اس میں مولانا حبیب اللہ مرحوم پسر مولانا احمد علی مرحوم کی سوانح ہے، یہ وہی مولانا حبیب اللہ تھے جو خود اپنے دور کے جید عالم تھے، زہد و تقویٰ کے پیکر تھے اور جنہوں نے جوانی میں ہی داغِ مفارقت دیا اور وہ پورے ۲۰ بیس برس تک حرمین شریف اور مسجد نبوی میں درس و تدریس میں مشغول رہے اور وہیں انہوں نے جان ہار دی۔
- مولانا حبیب اللہ کے عبداللہ ملک کے نام نایاب خطوط بھی اس میں شامل ہیں۔
- اس خانوادہ کی پہلی سوانح ہے، پہلی تاریخ ہے جس میں مولانا عبیداللہ انور، جو اس وقت مولانا احمد علی مرحوم کے علم و فضل زہد و تقویٰ کے وارث ہیں کی اپنی سوانح بھی شامل ہے۔ اس میں ان کی سیاسی جدوجہد، ایوب شاہی کے خلاف ان کی لڑائی اور لاہور میں ان کی آمریت کے خلاف تحریک کی راہنمائی کی پوری داستان شامل ہے۔ (نایاب فوٹو۔ نایاب خطوط)

یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد پونے چار سو بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ آفسٹ پرنٹنگ، اعلیٰ سفید کاغذ۔ قیمت ۴۰/- روپے
۱۵ر فروری ۷۹ء تک پیشگی قیمت بھیجنے والوں کو یہ کتاب ۳۵ روپے میں ملے گی اور ڈاک کا خرچ بھی ہمارے ذمہ ہوگا۔ آج ہی اس عظیم سوانح کی خریداری کے لئے پیشگی رقم بھیجکر اپنی کاپی محفوظ کرالیں

بک سیلرز حضرات تاجرانہ شرح پر مطلوبہ کتب کی رقم جمع کرادیں!

ملنے کا پتہ: **کوثر پبلشرز**
۴۶ شوکت حیات کالونی ماڈل ٹاؤن لاہور

فون نمبر (۸۵۱۴۰۰)